[illegible]

[illegible]

[illegible]

بار اوّل	۶ فروری ۱۹۴۴ء	تعداد ۱۰۰۰
بار دوم	یکم مارچ ۱۹۴۴ء	تعداد ۱۰۰۰
بار سوم	یکم جون ۱۹۴۴ء	تعداد ۱۰۰۰

قیمت تین روپے

لطیف فاروقی مالک مکتبۂ شعر و ادب لاہور نے امرت پریس لاہور سے طبع کرا کر شائع کی۔

مرحومہ بیگم صاحبہ مولانا ابوالکلام آزاد کے نام

فہرست

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

حرفِ گفتنی

مولانا ابوالکلام کی خطابت سسرو، ڈیماستھینیز، ریچرڈ برنسلے شریڈن، گلیڈسٹون، پاپل وانیال، وینڈل فلپس، اینڈ منڈ برک، صہبان، ابن عزال اور سعد زغلول کی طرح یگانہ اور یکتا ہے۔ وہ ایک نفسیاتی خطیب کی طرح مجمعے کی ذہنیت، افراد کے مزاج، خیالات کی سرشت اور وقت کے رجحانات کو بخوبی سمجھتے ہیں اور ہمیشہ توضیح مطالب کے لئے ایسے ایسے اسالیب بیان اختیار اور ایجاد کرتے ہیں جن میں خطابت کی داخلی اور خارجی خوبیاں تکنیک جوش، روانی، مزاح، تجربہ، مشاہدہ، تمثیلات، استدلال، انوکھا پن، حقیقت اور جذبات یا عقب ارتقا سب مضمر ہوتے ہیں اور ان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ الفاظ کی رچ دھج، معانی کی جوبن، بلاغت کے جوش، فصاحت کی مستی، بندشوں کی چستی، تمثیلات کی خوبصورتی، استعاروں کی طرفگی، تشبیہات کی دلچسپی، خیالات کی پختگی اور فقروں کی لالہ زاری سے ایسی فضا پیدا کرتے ہیں کہ بعض اوقات ہر گز رگاہ خیال پر ایک مغنی آتش نفس کے مضطرب ساز کی آواز میں محسوس ہوتی ہیں اور اکثر یہ خیال گزرتا ہے کہ دور صحراؤں میں عرب شہسواروں کی چمکتی ہوئی تلواریں سرخ فضاؤں میں لہرا رہی ہیں یا قرن اول کے غزوات نے اپنے چہروں سے نقاب الٹ دی ہے۔

اکثر خطبات اسالیب بیان کی رنگینیوں میں مطالب بیان کی دلچسپیوں کو گم کر دیتے ہیں اور ان کی صدائیں طوفانوں کا خروش، بادلوں کی گرج، شعلوں کے طرارے اور رقاصہ کی موسیقی رقص کے وجدانی چھینٹے ہو کر رہ جاتی ہیں لیکن مولانا ابوالکلام آزاد اسالیب بیان اور مطالب بیان کی یکجہتی سے ایسا قالب تیار کرتے ہیں کہ ہر قطرے میں سمندروں کا سکون، پہاڑوں کی سنجیدگی، آبشاروں کا ترنم اور رنگ و بو کی عنبر مرتی لہریں نظر آتی ہیں۔

کی نقاشی اپنی اصل ہیئت میں آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہے اور پھر تسلسل بیان میں ایک ایک فقرے کے مطالب میں ایسی محویت ہے جیسے کوئی بندھی اور لپٹی ہوئی چیز کھلتی اور بکھرتی جا رہی ہے۔

دہلی کانگریس کے خطبے میں ایک فلسفی کا عمق، ایک شاعر کی زبان، ایک انشا پرداز کا شکوہ، ایک مجاہد کی ضرب، ایک مدبر کا تجربہ، ایک قانون داں کی تشخیص، ایک سپہ سالار کا حوصلہ، ایک مومن کا یقین، ایک مصور کی روح خیال، ایک نقاد دماغ کی فکر مستور ہے لیکن شروع سے آخر تک خطابت کی معنوی لہریں شاہد کے گیسوؤں کی طرح گندھی ہوئی ہیں اور پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ نگاہیں موتی چن رہی ہیں۔

خطابت کے اداشناس اس امر کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ ہر مجلس کا ایک رخ، ایک بات، ایک طرز، ایک اسلوب، ایک منشا اور ایک موضوع ہوتا ہے۔ اور اس سے عہدہ برآ ہونا ایک بیدار مغز خطیب کے لئے لازمی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مدظلہ نے جمعیۃ العلماء [illegible] کے صدارتی خطبے میں فنون لطیفہ کی زبان سے محترز رہ کر خشک عالمانہ زبان استعمال کی ہے اور معاً خیال ہوتا ہے کہ خیالات کا ایک پرسکون قافلہ منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اصل میں الفاظ کے حسن و قبح اور سہل ممتنع کا سوال ہی فضول ہے۔ خوبصورتی اور بدصورتی محض ادائے مطالب سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک خوشگوار لفظ اپنے بے محل استعمال سے ناگوار ہو جاتا ہے اور ایک ادق لفظ اپنے مقام پر نہایت چست ہوتا ہے۔ حسن وہ نہیں جو اجلے کپڑوں میں نکھرے بلکہ حسن وہ ہے جو میلے کچیلے لباس کو بھی چمکا دے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے اسالیب بیان میں یہی تاثیر ہے کہ وہ الفاظ میں ایک مسیحا نفس کی طرح زندگی پیدا کرتے ہیں اور معانی کے دامن سے ایسی زنجیریں پھیلتی ہیں کہ غیر شعوری طور پر نگاہوں سے گوناگوں مناظر گزرتے چلے جاتے ہیں۔

کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سوختہ دل عندلیب روٹھی ہوئی بہار کو منا رہی ہے اور کبھی اس تصور پر نگاہ ٹھہرتی ہے کہ آسمان کی نیلاہٹوں کے عقب میں آنے والے دور کا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جذبات کا یہ دھارا بھی خطبات کی تدوین کا محرک تھا۔

تدوین کے بعد۔ خطبات جمع ہوئے۔ انہیں دیکھا، پڑھا اور سوچا، عالمات پر ایک نگاہ ڈالی تو چاروں طرف مخالف ہوائیں تھیں مولانا ابوالکلام آزاد کے اکثر خطبے ایک بکھری ہوئی صبح کے سہانے گیت ہیں جن میں جلترنگ بھی ہے اور لہو ترنگ بھی۔ وہ یک رنگ بھی ہے اور نقش و نگار اپنی لے کی آگ میں خاکستر ہو جانے والی زندگی بھی۔ بعض مقامات پر سارے کا سارا خطبہ آتشکدہ معلوم ہوتا ہے کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں لفظ انگارے بن گئے ہیں اور بے شمار آتشیں الفاظ اس رنگ میں نمایاں ہیں جیسے مجاہد کی آنکھیں میدان کارزار میں شرارے برسا رہی ہیں۔ —— بھلا چھیانٹ رات گمشدہ صبح کی ان انقلابی نواؤں پر کہاں ٹھہر سکتی ہے۔ اس کی بقا کا راز قانون کی وہ دیواریں ہیں جو اس نے اپنے ارد گرد چن رکھی ہیں، طباعت و اشاعت کی انہیں مزاحمتوں کے باعث ایک آدھ صفحے میں ارادتاً خلا پیدا کر دیا گیا ہے لیکن اس خلا سے معنوی صورت نہیں بدلی اور عبارت کی روانی دریا کی طرح ہے کہ موجیں کٹ کٹ کر کناروں پر آ رہتی ہیں لیکن سیل بدستور قائم ہے اور کہیں بھی لطف نگاہ میں کمی نہیں ہوتی۔

اجتماعی صورت۔ مجموعی طور پر چند تاریخی مرحلوں کی سرگذشت ہیں اور ان میں تاریخ کے سیاسی پیغمبروں کی اکثر روداد ملتی ہیں پچھلے چند سال میں جو ضرورتیں بھی واقعات کا سیلاب بن کر ابھری ہیں اور جتنے مسائل بھی ہماری حیات اجتماعیہ کی شہ رگ کے طور پر نمودار ہوتے ہیں ان کے جواب اور حل اس ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

حرف آخر۔ دو باتیں مجھے اور کہنی ہیں ایک اپنی تعریف اور حرف گفتنی کے بارے میں کہ میں اپنے خیالات کی یہ پونجی نقاد دوستوں کی نذر کرتا ہوں ان سے بہتر میری تاویلات کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے مجھے کوئی شخص آگاہ نہیں کر سکتا۔ دوسری بات نقادان فن خطابت سے ایک التماس ہے کہ یہ خطبات جن میں افادہ معانی کی صبح درخشاں جھلکتی ہے۔ ادب برائے ادب کے نمائندہ نہیں بلکہ ادب برائے زندگی کی قاطع حجت ہیں۔

شورش کاشمیری

سالانہ اجلاس آل انڈیا کانگریس رام گڑھ

مارچ ۱۹۴۰ء

دوستو! ۱۹۲۳ء میں آپ نے مجھے اس قومی مجلس کا صدر چنا تھا۔ اب سترہ برس کے بعد دوسری مرتبہ آپ نے مجھے یہ عزت بخشی۔ قومی جدوجہد کی تاریخ میں سترہ برس کی مدت کوئی بڑی مدت نہیں ہے لیکن دنیا نے اپنی تبدیلیوں کی چال اس قدر تیز کر دی ہے کہ اب وقت کے پرانے اندازے کام نہیں دے سکتے۔ اس سترہ برس کے اندر ایک کے بعد ایک بہت سی منزلیں ہمارے سامنے آتی رہیں۔ ہمارا سفر دور کا تھا اور ضروری تھا کہ مختلف منزلوں سے گزرتے۔ ہم ہر منزل میں ٹھہرے مگر رکے کہیں نہیں۔ ہم نے ہر مقام کو دیکھا بھالا مگر ہمارا دل اٹکا کہیں بھی نہیں۔ ہمیں طرح طرح کے اتار چڑھاؤ پیش آئے مگر ہر حال میں ہماری نگاہ سامنے کی طرف رہی۔ دنیا کو ہمارے ارادوں کے بارے میں شک رہے ہوں، مگر ہمیں اپنے فیصلوں کے بارے میں کبھی شک نہیں گزرا۔ راستہ مشکلوں سے بھرپور تھا۔ ہمارے سامنے قدم قدم پر طاقتور رکاوٹیں کھڑی تھیں۔ ہم جتنی تیزی سے چلنا چاہتے تھے نہ چل سکے ہوں لیکن ہم نے آگے بڑھنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اگر ہم ۱۹۲۳ء اور ۱۹۴۰ء کی درمیانی مسافت پر نظر ڈالیں تو ہمیں اپنے پیچھے بہت دور ایک دھندلا سا نشان دکھائی دیگا۔ ۱۹۲۳ء میں ہم اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ مگر منزل ہم سے اتنی دور تھی کہ اس کی راہ کا نشان بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل تھا۔ لیکن آج نظر اٹھایئے اور سامنے کی طرف دیکھئے۔ نہ صرف منزل کا نشان صاف صاف دکھائی دے رہا ہے بلکہ منزل بھی دور نہیں ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ جوں جوں منزل نزدیک آتی جاتی ہے ہماری جدوجہد کی آزمائشیں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ آج واقعات کی تیز رفتاری نے جہاں ہمیں پچھلے نشانوں سے دور اور آخری منزل سے نزدیک کر دیا ہے وہاں طرح طرح کی نئی نئی الجھنیں

زمانہ کی بے شمار تبدیلیوں نے ملکوں اور قوموں کو اس طرح ایک دوسرے سے نزدیک کر دیا ہے اور فکر و عمل کی لہریں ایک گوشے میں ابھر کر اس تیزی کے ساتھ دوسرے گوشوں پر اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیتی ہے۔ کہ آج کل کی حالت میں ممکن نہیں ہندوستان اپنے مسئلوں کو صرف اپنی چار دیواری کے اندر ہی بند رہ کر سوچ سکے۔ یہ ناگزیر ہے کہ باہر کے حالات ہمارے حالات پر فوری اثر ڈالیں۔ اور ناگزیر ہے کہ ہماری حالتوں اور فیصلوں سے دنیا کی حالتوں اور فیصلوں پر اثر پڑے یہی احساس تھا جس نے اس فیصلہ کی شکل اختیار کی۔ ہم نے ان تجویزوں کے ذریعہ اعلان کیا کہ یورپ میں جمہوریت اور انفرادی اور قومی آزادی کے خلاف فیشزم اور نازی ازم کی جو رجعتی (REACTIONARY) اور کشمکشی تحریکیں روز بروز طاقت پکڑتی جاتی ہیں۔ ہندوستان انہیں دنیا کی ترقی اور امن کے لئے ایک عالمگیر خطرہ تصور کرتا ہے اور اس کا دل و دماغ ان قوموں کے ساتھ ہے جو جمہوریت اور آزادی کی حفاظت میں ان تحریکوں کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

لیکن جب فیشزم اور نازی ازم کے خطروں کے خلاف ہمارا دماغ جا رہا تھا تو ہمارے لئے ناممکن تھا کہ ہم اُس پرانے خطرے کو بھلا دیتے جو ان نئی قوتوں سے کہیں زیادہ قوموں کے امن اور آزادی کے لئے مہلک ثابت ہو چکا ہے اور جس نے فی الحقیقت ان نئی ارتجاعی تحریکوں کی پیدائش کا سامان بہم پہنچایا ہے میرا اشارہ برطانیہ کی سامراجی قوت کی طرف ہے۔ اسے ہم ان نئی ارتجاعی قوتوں کی طرح دور سے نہیں دیکھ رہے۔ یہ خود ہمارے گھر پر قبضہ جمائے ہمارے سامنے کھڑی ہے۔ اس لئے ہم نے صاف صاف لفظوں میں یہ بات بھی کھول دی کہ اگر یورپ کی اس نئی کشمکش نے لڑائی کی شکل اختیار کر لی تو ہندوستان جو اپنے آزاد ارادے اور آزادپسندی سے محروم کر دیا گیا ہے اس میں حصہ لینے سے قاصر رہیگا وہ صرف اسی حالت میں حصہ لے سکتا ہے جب کہ اسے اپنی آزاد مرضی اور پسند سے فیصلہ کرنے کی حیثیت حاصل ہو۔ وہ نازی ازم اور فیشزم سے بیزار ہے اگر ہندوستان اپنی آزادی کے قدرتی حق سے محروم رہتا ہے

[illegible]

تھی اگر برطانوی حکومت کی پرانی سامراجی ذہنیت (M ENTALITY) میں کچھ تبدیلی
ہوتی ہے تو کم از کم (DIPLOMACY) ہی کی خاطر وہ اس کی ضرورت محسوس کریگی کہ
اس موقعہ پر اپنا پرانا ڈھنگ بدل دے اور ہندوستان کو ایسا کرنے کا موقع دے کہ
اب وہ ایک بدلی ہوئی آب و ہوا میں سانس لے رہا ہے لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ اس
موقعہ پر برطانوی حکومت کا طرز عمل کیسا رہا ہے۔ تبدیلی کی کوئی پرچھائیں بھی اس پر پڑتی
ہوئی دکھائی نہ دی۔ ٹھیک اسی طرح جیسا کہ اس کے سامراجی مزاج کا ڈیڑھ صدی
سے خاصہ رہا ہے اس نے اپنے طرز عمل کا فیصلہ کر لیا اور بغیر اس کے کہ کسی شکل اور کسی
درجہ تک بھی ہندوستان کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع دیا گیا ہو۔ لڑائی میں اس کے
شامل ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس بات تک کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ان
نمائندہ اسمبلیوں ہی کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا ایک موقعہ دیا جائے جسے خود برطانوی
حکومت نے اپنی سیاسی بخششوں کی نمائش کرتے ہوئے ہندوستان کے سر تھوپا ہے۔

تمام دنیا کی طرح ہمیں بھی معلوم ہے کہ اس موقع پر برٹش امپائر کے تمام ملکوں کو
اپنے اپنے طرز عمل کے فیصلہ کا کس طرح موقعہ دیا گیا تھا۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ
جنوبی افریقہ۔ آئرلینڈ۔ سب نے لڑائی میں شریک ہونے کا فیصلہ اپنی اپنی قانون ساز مجلسوں
میں بغیر کسی باہری مداخلت کے کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آئرلینڈ نے شریک ہونے کی جگہ
غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے اس فیصلہ پر برطانیہ کے کسی باشندے کو تعجب
نہیں ہوا۔ مسٹر ولیرا نے برطانیہ کے ہمسایہ میں کھڑے ہو کر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جب
تک آلسٹر (ULSTER) کا سوال قابل اطمینان طریقہ پر طے نہیں ہوتا۔ وہ برطانیہ کی
مدد کرنے سے انکار کرتے ہے۔

لیکن برطانوی نوآبادیوں کے اس پورے مرقع میں ہندوستان کی جگہ کہاں دکھائی
دے رہی ہے؟ جس ہندوستان کو آج یہ قیمتی خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ اسے برطانوی
حکومت کے فیاض ہاتھوں سے جلد مگر کسی نامعلوم زمانے میں برطانوی نوآبادیوں

(DOMINIONS) کا درجہ (STATUS) ملنے والا ہے اس ہستی کا کیونکر اعتراف کیا گیا
اس طرح کہ اسے دنیا کی تاریخ کی شاید سب سے بڑی ہونے والی لڑائی میں اچانک دھکیل
دیا گیا۔ بغیر اس کے کہ اُسے معلوم بھی ہوا ہو کہ وہ لڑائی میں شریک ہو رہا ہے۔

صرف یہی ایک واقعہ اس کے لئے کافی ہے کہ برطانوی حکومت کے موجودہ مزاج اور رُخ کو اس کے اصلی رنگ روپ میں دیکھ لیں۔ مگر نہیں ہمیں جلدی نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیں اور موقعے بھی پیش آنے والے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب ہم اُسے اور زیادہ نزدیک سے نزدیک اور زیادہ بے پردہ دیکھنے لگیں گے۔

۱۹۱۴ء کی لڑائی کی پہلی چنگاری بلقان کے ایک گوشہ میں سلگی تھی۔ اس لئے (انگلستان) اور فرانس نے چھوٹی قوموں کے حقوق کا نعرہ لگانا شروع کر دیا تھا۔ پھر یاد ہوگا پریزیڈنٹ ولسن کے چودہ نکتے دنیا کے سامنے آئے اور ان کا جو حشر ہوا دنیا کو معلوم ہے۔ اس مرتبہ صورت حال دوسری تھی۔ پچھلی لڑائی کے بعد انگلستان اور فرانس نے اپنی فتح مندی کے نشے میں مخمور ہو کر جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ایک نیا رد عمل (REACTION) شروع ہو جائے۔ وہ شروع ہوا۔ اُس نے اٹلی میں فیشزم اور جرمنی میں نازیزم کا روپ اختیار کیا اور وحشیانہ طاقت کی بنیادوں پر ایک آمریت (DICTATORSHIP) دنیا کے امن اور آزادی کو چیلنج دینے لگی۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی تو قدرتی طور پر دو نئی صفیں دنیا کے سامنے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایک جمہوریت اور آزادی کا ساتھ دینے والی۔ دوسری ارتجاعی قوتوں کو آگے بڑھانے والی اور اس طرح لڑائی کا ایک نیا نقشہ بننا شروع ہو گیا۔ مسٹر چیمبرلین کی حکومت جس کے لئے فیشسٹ اٹلی اور نازی جرمنی سے کہیں زیادہ سوویٹ روس کی ہستی ناقابل برداشت تھی اور جو اسے برطانوی سامراج کے لئے ایک زندہ چیلنج سمجھتی تھی، تین برس تک اس منظر کا تماشہ دیکھتی رہی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُس نے اپنے طرزِ عمل سے کھلے طور پر فیشسٹ اور نازی قوتوں کی جرأتیں ایک کے بعد ایک بڑھائیں۔ ابے سینیا، اسپین، آسٹرلیا

چیکوسلاواکیہ اور البانیہ کی ہستیاں ایک کے بعد ایک دنیا سے مٹتی چلی گئیں اور برطانوی حکومت نے اپنی ڈگمگاتی ہوئی پالیسی سے انہیں دفن کرنے میں برابر مدد دی۔ لیکن جب اس طرزِ عمل کا قدرتی نتیجہ اپنی انتہائی شکل میں اُبھر آیا۔ اور نازی جرمنی کا قدم بے روک آگے بڑھنے لگا تو برطانوی حکومت بالکل بے بس ہو گئی۔ اُسے لڑائی کے میدان میں اُترنا پڑا کیونکہ اگر اب وہ اُترتی تو جرمنی کی طاقت برطانوی شہنشاہی کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتی۔ اب چھوٹی قوموں کی آزادی کے پرانے نعرے کی جگہ جمہوریت، آزادی اور عالمگیر امن کے نئے نعروں نے لے لی۔ اور تمام دنیا ان صداؤں سے گونجنے لگی۔ ۳ ستمبر کا اعلان جنگ انگلستان اور فرانس نے ان ہی صداؤں کی گونج میں کیا اور دنیا کی اُن تمام بے چین روحوں نے جو یورپ کی نئی ارتجاعی (REACTIONARY) قوتوں کی وحشیانہ زور آزمائیوں اور عالمگیر بدامنی کے عذاب سے حیران اور سراسیمہ ہو رہی تھیں ان خوشنما صداؤں پر کان لگا دیئے۔

کانگریس کا مطالبہ :

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو لڑائی کا اعلان ہوا۔ اور ۸ ستمبر کو آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی واردھا میں اکٹھی ہوئی تاکہ صورتِ حال پر غور کرے۔ ورکنگ کمیٹی نے اس موقعہ پر کیا کیا؟ کانگریس کے وہ تمام اعلان اُس کے سامنے تھے جو ۱۹۳۶ء سے لگاتار ہوتے رہے ہیں۔ اعلان جنگ کے بارے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا گیا تھا۔ وہ بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا۔ یقیناً اُسے ملامت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ کوئی ایسا فیصلہ کر دیتی جو اس صورتِ حال کا منطقی نتیجہ تھا لیکن اُس نے پوری احتیاط کے ساتھ اپنے دل و دماغ کی نگرانی کی۔ اُس نے وقت کے اُن تمام جذبوں سے جو تیز رفتاری کا تقاضا کر رہے تھے اپنے کانوں کو بند کر لیا۔ اس نے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر پورے سکون کے ساتھ غور کر کے وہ قدم اٹھایا ہے جسے آج ہندوستان سر اٹھا کر دنیا سے کہہ سکتا ہے کہ اس صورتِ حال میں اس کے لئے وہی ایک ٹھیک قدم تھا۔ اس نے اپنے سارے فیصلے ملتوی کر

[illegible]

لفظوں میں یہ ہے:۔

"ان حالات میں کمیٹی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ برطانوی حکومت کی سامراجی پالیسی کو منظور کرے۔ کمیٹی کانگریس وزارتوں کو ہدایت کرتی ہے کہ جو راہ اب ہمارے سامنے کھل گئی ہے۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بطور ایک ابتدائی قدم کے اپنے اپنے صوبوں کی حکومتوں سے مستعفی ہو جائیں۔"

چنانچہ آٹھ صوبوں میں وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا۔ یہ تو اس سلسلہ کی ابتدا تھی اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ سلسلہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرکے کہاں تک پہنچا ہے؟ وائسرائے ہند کا ایک کمیونک جو ۵ فروری کو دہلی سے شائع ہوا اور جو اس گفتگو کا خلاصہ بیان کرتا ہے جو مہاتما گاندھی سے ہوئی تھی اور پھر خود مہاتما گاندھی کا بیان جو انہوں نے ۱۱ فروری کو شائع کیا۔ اس کی آخری کڑی سمجھی جا سکتی ہے۔ اس کا خلاصہ تم سب کو معلوم ہے۔ برطانوی حکومت اس بات کی پوری خواہش رکھتی ہے کہ ہندوستان جلد سے جلد وقت میں جو صورت حال کے لحاظ سے ممکن ہو برطانوی نوآبادیوں کا درجہ حاصل کرے اور درمیانی زمانے کی مدت جہاں تک ممکن ہو کم کی جائے۔ مگر وہ ہندوستان کا یہ حق ماننے کے لئے تیار نہیں کہ بغیر باہر کی مداخلت کے وہ اپنا دستور اساسی (کانسٹی ٹیوشن) خود اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے ذریعے بنا سکتا ہے اور اپنی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں برطانوی حکومت ہندوستان کے لئے خود اختیاری فیصلے کا حق تسلیم نہیں کر سکتی۔

حقیقت کی ایک چھوٹ سے دکھاوے کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ پچھلے چار برسوں سے جمہوریت اور آزادی کی حفاظت کے نعروں سے دنیا گونج رہی تھی انگلستان اور فرانس کی حکومتوں کی زیادہ سے زیادہ ذمہ دار زبانیں اس بارے میں جو کچھ کہہ رہی ہیں وہ ابھی اس قدر تازہ ہیں کہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں مگر جونہی ہندوستان نے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ختم ہو چکا۔ اور آج برطانوی قوم صرف امن اور انصاف کے مقصدوں کو اپنے سامنے رکھتی ہے۔ ہندوستان سے بڑھ کر اور کونسا ملک ہو سکتا ہے جو آج کسی ایسے اعلان کا استقبال کرتا؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ باوجود ان اعلانوں کے برطانوی سامراج آج بھی اسی طرح امن و انصاف کی راہ روکے کھڑا ہے جس طرح لڑائی سے پہلے تھا۔ ہندوستان کا مطالبہ اس طرح کے تمام دعوؤں کے لئے ایک کسوٹی تھی۔ دعوے کسوٹی پر کسے گئے اور اپنی سچائی کا یقین نہ دلا سکے۔

ہندوستان کا سیاسی مستقبل اور اقلیتیں:

جہاں تک وقت کے اصلی سوال کا تعلق ہے معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں جو میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دیا۔ گزشتہ ستمبر میں جب اعلان جنگ کے بعد کانگریس نے اپنا مطالبہ ترتیب دیا تو اس وقت ہم میں سے کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں گذری تھی کہ اس صاف اور سادہ مطالبہ میں جو ہندوستان کے نام پر کیا گیا ہے اور جس سے ملک کے کسی فرقہ اور کسی گروہ کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا فرقہ وارانہ مسئلہ کا سوال اٹھایا جا سکے گا۔ بلاشبہ ملک میں ایسی جماعتیں موجود ہیں جو سیاسی جد و جہد کے میدان میں وہاں تک نہیں جا سکتیں۔ جہاں تک ملک کی آزادی اور اس کے قدرتی حق کے اعتراف کا تعلق ہے۔ ہندوستان کی ذہنی بیداری اب ان ابتدائی منزلوں سے بہت دور نکل چکی کہ ملک کا کوئی گروہ بھی اس مقصد سے مخالفت کرنے کی جرأت کر سکے۔ وہ جماعتیں بھی جو اپنے طبقہ (کلاس) کے خاص مفاد کے تحفظ کے لئے مجبور ہیں کہ موجودہ سیاسی صورت حال کی تبدیلی کے خواہشمند نہ ہوں وقت کی عام آب و ہوا کے تقاضا سے بے بس ہو رہی ہیں اور انہیں بھی ہندوستان کی سیاسی منزل مقصود کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ تاہم جہاں وقت کے آزمائشی سوال نے صورت حال کے دوسرے گوشوں پر سے پردے اٹھا دیئے۔ وہاں اس گوشہ کو بھی بے نقاب کر دیا۔ ہندوستان اور انگلینڈ دونوں جگہ

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر قدم جو اس کی موجودگی سے بے پروا ہو کر اُٹھے گا۔ یقیناً ایک غلط
قدم ہوگا لیکن فرقہ وارانہ مسئلہ کی موجودگی کے اعتراضات کے معنی صرف یہی ہونے
چاہئیں کہ اس کی موجودگی کا اعتراف کیا جائے۔ یہ معنی نہیں ہونے چاہئیں کہ اُسے
ہندوستان کے قومی حقوق کے خلاف بطور ایک آلہ استعمال کیا جائے۔ برطانوی
شہنشاہی ہمیشہ اس مسئلہ کو اسی غرض سے کام میں لاتی رہی۔ اگر اب وہ اپنی ہندوستانی
تاریخ کا پچھلا دور ختم کرنے پر مائل ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ سب سے پہلا گوشہ جس
میں ہم قدرتی طور پر اس تبدیلی کی جھلک دیکھنی چاہیں گے۔ وہ یہی گوشہ ہے۔

کانگریس نے فرقہ وارانہ مسئلہ کے بارے میں اپنے لئے جو جگہ بنائی ہے وہ کیا
ہے؟ کانگریس کا اول دن سے دعوےٰ رہا ہے کہ وہ ہندوستان کو بحیثیت مجموعی اپنے
سامنے رکھتی ہے اور جو قدم بھی اٹھانا چاہتی ہے ہندوستانی قوم کے لئے اٹھانا چاہتی
ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ کانگریس نے یہ دعویٰ کرکے دنیا کو اس بات کا حق دے دیا
ہے کہ وہ جس قدر بے رحم نکتہ چینی کے ساتھ چاہے۔ اس کے طرزِ عمل کا جائزہ لے۔
میں چاہتا ہوں کہ معاملہ کا یہ پہلو سامنے رکھ کر ہم آج کانگریس کے طرزِ عمل پر نئے
سرے سے ایک نگاہ ڈالیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے کہا ہے اس بارے میں قدرتی طور پر تین باتیں
ہی سامنے آسکتی ہیں۔ فرقہ وارانہ مسئلہ کی موجودگی اس کی اہمیت اس کے فیصلے کا طریقہ
کانگریس کی پوری تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے کہ اُس نے اس مسئلہ کی موجودگی کا ہمیشہ
اعتراف کیا اس نے اس کی اہمیت کو مٹانے کی کبھی کوشش نہیں کی اس نے اس کے
فیصلہ کے لئے وہی طریقہ تسلیم کیا جس سے زیادہ قابلِ اطمینان طریقہ اس بارے میں
کوئی نہیں بتلایا جاسکتا۔ اور اگر بتلایا جاسکتا ہے تو اس کی طلب میں اس کے دونوں ہاتھ
بڑھے رہے اور آج بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

اس کی اہمیت کا اعتراف اس سے زیادہ ہمارے تخیل پر کیا اثر ڈال سکتا ہے

اُسے ہندوستان کے قومی مقصد کی کامیابی کے لئے سب سے پہلی شرط یقین کریں؟ میں اس
واقعہ کو بطور ایک ناقابلِ انکار حقیقت کے پیش کروں گا کہ کانگریس کا ہمیشہ ایسا ہی یقین رہا
کانگریس نے ہمیشہ اس بارے میں دو بنیادی اصول اپنے سامنے رکھے اور جب
کبھی کوئی قدم اٹھایا تو ان دونوں اصولوں کو صاف صاف اور قطعی شکل میں اُن کو اٹھایا۔

۱۔ ہندوستان کا جو دستورِ اساسی (کانسٹی ٹیوشن) بھی آئندہ بنایا جائے اس میں
اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کی پوری ضمانت ہونی چاہئے۔

۲۔ اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کے لئے کن کن تحفظات (سیف گارڈز) کی ضرورت
ہے؟ اس کے لئے صحیح جج خود اقلیتیں ہیں، نہ کہ اکثریتیں۔ اس لئے تحفظات کا فیصلہ ان کی
رضامندی سے ہونا چاہئے نہ کہ کثرت رائے سے۔

اقلیتوں کا مسئلہ صرف ہندوستان ہی کے حصہ میں نہیں آیا ہے۔ دنیا کے دوسرے
حصوں میں بھی رہ چکا ہے۔ میں آج اس جگہ سے دنیا کو مخاطب کرنے کی جرأت کرتا ہوں
میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اس سے بھی زیادہ کوئی صاف اور بے لاگ طرزِ عمل اس
بارے میں اختیار کیا جا سکتا ہے تو وہ کیا ہے؟ کیا اس طرزِ عمل میں کوئی بھی ایسی
خامی رہ گئی ہے جس کی بنا پر کانگریس کو اس کا فرض یاد دلانے کی ضرورت ہو؟ کانگریس
اپنے اداے فرض کی خامیوں پر غور کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہی ہے اور آج بھی تیار ہے

میں اُنیس برس سے کانگریس میں ہوں۔ اس تمام عرصہ میں کانگریس کا کوئی اہم
فیصلہ ایسا نہیں ہوا جس کے ترتیب دینے میں مجھے شریک رہنے کی عزت حاصل نہ
رہی ہو۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس اُنیس برس میں ایک دن بھی ایسا کانگریس کے دماغ پر
نہیں گزرا جب اس نے اس مسئلہ کا فیصلہ اس کے سوا کسی طریقے سے بھی کرنے کا
خیال کیا ہو۔ یہ صرف اس کا اعلان ہی نہ تھا اس کا مضبوط اور طے کیا ہوا طرزِ عمل بھی
تھا۔ پچھلے پندرہ برسوں کے اندر اندر بار بار اس طرزِ عمل کے لئے سخت سے سخت
آزمائشیں پیدا ہوئیں مگر یہ چٹان اپنی جگہ سے کبھی نہ ہل سکی۔

[illegible]

ہیں جو ہمیں ہر طرف سے جکڑے ہوتے ہیں تاہم اس حالت میں کوئی مجبوری بھی ہمیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی کہ سعی اور ہمت کا قدم آگے بڑھائیں کیونکہ ہماری راہ تمام تر دشواریوں کی راہ ہے اور ہمیں ہر دشواری پر غالب آنا ہے۔

ہندوستان کے مسلمان اور ہندوستان کا مستقبل:

یہ ہندوستان کی اقلیتوں کا مسئلہ تھا لیکن کیا ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت ایک ایسی اقلیت کی ہے جو اپنے مستقبل کو شک اور خوف کی نظر سے دیکھ سکتی ہے۔ اور تمام اندیشے اپنے سامنے لا سکتی ہے جو قدرتی طور پہ ایک اقلیت کے دماغ کو مضطر کر دیتے ہیں۔

مجھے نہیں معلوم آپ لوگوں میں کتنے آدمی ایسے ہیں جن کی نظر سے میری وہ تحریریں گذر چکی ہیں جو آج سے ۲۸ برس پہلے میں "الہلال" کے صفحوں پر لکھتا رہا ہوں اگر چند اشخاص بھی ایسے موجود ہیں تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ اپنا حافظہ کو تازہ کر لیں میں نے اس زمانہ میں بھی اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا تھا اور اسی طرح آج بھی کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے سیاسی مسائل میں کوئی بات بھی اس درجہ غلط نہیں سمجھی گئی ہے جس درجہ یہ بات کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت ایک سیاسی اقلیت کی حیثیت ہے اور اس لئے ایک جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی طرف سے اندیشہ ناک رہنا چاہیے۔ اس ایک بنیادی غلطی نے بیشمار غلط فہمیوں کی پیدائش کا دروازہ کھول دیا۔ غلط دیواریں کھنچی جانے لگیں۔ اس نے ایک طرف تو خود مسلمانوں پر ان کی حقیقی حیثیت مشتبہ کر دی۔ دوسری طرف دنیا کو ایک ایسی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جس کے بعد وہ ہندوستان کو اس صحیح صورت حال میں نہیں دیکھ سکتی۔

اگر وقت ہوتا تو میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتلاتا کہ معاملہ کی یہ غلط اور بناوٹی شکل گذشتہ ساٹھ برس کے اندر کیوں کر ڈھالی گئی اور کن ہاتھوں سے ڈھلی؟ دراصل یہ بھی اسی پھوٹ ڈالنے والی پالیسی کی پیداوار ہے جس کا نقشہ انڈین نیشنل کانگریس

کی تحریک کے شروع ہونے کے بعد ہندوستان کے سرکاری دماغوں میں فوراً شروع ہو گیا تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس نئی سیاسی بیداری کے خلاف استعمال کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ اس نقشہ میں دو باتیں خاص طور پر ابھاری گئی تھیں ایک یہ کہ ہندوستان میں دو مختلف قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو قوم ہے اور ایک مسلمان قوم ہے۔ اس لئے متحدہ قومیت کے نام پر یہاں کوئی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا دوسری یہ کہ مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس لئے یہاں جمہوری اداروں کے قیام کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائیگی اور مسلمانوں کی ہستی خطرہ میں پڑ جائیگی۔ میں اس وقت اور زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤنگا۔ صرف اتنی بات آپ کو یاد دلادونگا کہ اگر اس معاملہ کی ابتدائی تاریخ آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ایک سابق وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن اور سابق لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی (اب یونائیٹڈ اونسز) سر آکلینڈ کالون کے زمانہ کی طرف لوٹنا چاہئے۔

برطانوی سامراج نے ہندوستان کی سرزمین میں وقتاً فوقتاً جو بیج ڈالے ان میں سے ایک بیج یہ تھا۔ اس نے فوراً پھول پتے پیدا کئے اور گو پچاس برس گزر چکے ہیں مگر ابھی تک اس کی جڑیں خشک نہیں ہوئی ہیں۔

سیاسی بول چال میں جب کبھی اقلیت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ریاضی کے عام حسابی قاعدے کے مطابق انسانی افراد کی ہر ایسی تعداد جو ایک دوسری تعداد سے کم ہو، لازمی طور پر اقلیت ہوتی ہے اور اسے اپنی حفاظت کی طرف سے مضطرب ہونا چاہئے بلکہ اس سے مقصود ایک ایسی کمزور جماعت ہوتی ہے۔ جو تعداد اور صلاحیت دونوں اعتباروں سے اپنے کو اس قابل نہیں پاتی کہ ایک بڑے اور طاقتور گروہ کے ساتھ رہ کر اپنی حفاظت کے لئے خود اپنے اوپر اعتماد کر سکے۔ اس حیثیت کے تصور کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ ایک گروہ کی

تعداد کی نسبت دوسرے گروہ سے کم ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ بجائے خود کم ہو اور اتنی کم
ہو کہ اس سے اپنی حفاظت کی توقع نہ کی جاسکے۔ ساتھ ہی اس میں تعداد (NUMBER)
کے ساتھ نوعیت (KIND) کا سوال بھی کام کرتا ہے۔ فرض کیجئے ایک ملک میں دو گروہ
موجود ہیں ایک کی تعداد ایک کروڑ ہے دوسرے کی زیادہ ہے۔ اب اگرچہ ایک کروڑ
دو کروڑ کا نصف ہوگا اور اس لئے دو کروڑ سے کم ہوگا۔ مگر سیاسی خیال سے ضروری
نہ ہوگا کہ صرف اس نسبتی فرق کی بنا پر اُسے ایک اقلیت فرض کر لیا جائے۔ کمزور ہستی کا
اعتراف کرلیں اس طرح کی اقلیت ہونے کے لئے تعداد کی نسبتی فرق کے ساتھ دوسرے
عوامل (FACTORS) کی موجودگی بھی ضروری ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اس لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حقیقی حیثیت کیا ہے
آپ کو دیر تک غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپ صرف ایک ہی نگاہ میں معلوم کرلیں گے
کہ آپ کے سامنے ایک عظیم گروہ اپنی اتنی بڑی اور پھیلی ہوئی تعداد کے ساتھ سر اٹھائے
کھڑا ہے کہ اس کی نسبت اقلیت کی کمزوریوں کا گمان کرنا بھی اپنی نگاہ کو صریح
دھوکا دینا ہے۔

اس کی مجموعی تعداد ملک میں آٹھ نو کروڑ کے اندر ہے۔ وہ ملک کی دوسری جماعتوں
کی طرح معاشرتی اور نسلی تقسیموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔ اسلامی زندگی کی مساوات
اور برادرانہ یک جہتی کے مضبوط رشتے نے اسے معاشرتی تفرقوں کی کمزوریوں سے
بہت حد تک محفوظ رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ تعداد ملک کی پوری آبادی میں ایک چوتھائی
سے زیادہ نسبت نہیں رکھتی۔ لیکن سوال تعداد کی نسبت کا نہیں ہے جو تعداد اور
اس کی نوعیت کا ہے۔ کیا انسانی مواد کی اتنی عظیم مقدار کے لئے اس طرح کے
اندیشوں کی کوئی جائز وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک آزاد اور جمہوری ہندوستان میں اپنے
حقوق و مفاد کی خود نگہداشت نہیں کر سکے گی۔

یہ تعداد کسی ایک ہی رقبہ میں سمٹی ہوئی نہیں ہے بلکہ خاص تقسیم کے ساتھ ملک کے

مختلف حصوں میں پھیل گئی ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار صوبے ایسے ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور دوسری مذہبی جماعتیں اقلیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر برٹش بلوچستان کو بھی اس میں اضافہ کر دیا جائے تو چار کی جگہ مسلم اکثریت اور اقلیت کا تصور کرتے رہیں تو بھی اس تصویر میں مسلمانوں کی جگہ محض ایک اقلیت کی دکھائی نہیں دیتی وہ اگر سات صوبوں میں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں تو پانچ صوبوں میں انہیں اکثریت کی جگہ حاصل ہے۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ نہیں کہ انہیں ایک اقلیت گروہ ہونے کا احساس مضطرب کر سکے۔

ہندوستان کا آئندہ دستور اساسی (CONSTITUTION) اپنی تفصیلات میں خواہ کسی نوعیت کا ہو مگر اس کی ایک بات ہم سب کو معلوم ہے۔ وہ کامل معنوں میں ایک آل انڈیا وفاق (FEDERATION) کا جمہوری دستور ہوگا جس کے کل علاقے اپنے اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار ہوں گے اور نیشنل مرکز کے حصہ میں صرف وہی معاملات رہیں گے جن کا تعلق ملک کے عام اور مجموعی مسائل سے ہوگا۔ مثلاً بیرونی تعلقات دفاع کسٹم وغیرہ ایسی حالت میں کیا ممکن ہے کہ کوئی دماغ جو ایک جمہوری دستور کے پوری طرح عمل میں آنے اور دستوری شکل میں چلنے کا نقشہ تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنے سامنے لا سکتا ہے۔ ان اندیشوں کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے جنہیں اکثریت اور اقلیت کے اس پُر فریب سوال نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے؟ میں ایک لمحہ کے لئے یہ باور نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کے مستقبل نقشے میں ان اندیشوں کے لئے کوئی جگہ نکل سکتی ہے۔ دراصل یہ تمام اندیشے اس لئے پیدا ہو رہے ہیں کہ ایک برطانوی مدبر کے مشہور لفظوں میں جو اس نے آئرلینڈ کے بارے میں کہے تھے ہم ابھی تک دریا کے کنارے کھڑے ہیں اور گو تیرنا چاہتے ہیں مگر دریا میں اترتے نہیں۔ ان اندیشوں کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہمیں دریا میں بے خوف و خطر کود جانا چاہئے جونہی ہم نے ایسا کیا ہم معلوم کر لیں گے کہ ہمارے تمام اندیشے بے بنیاد تھے

مسلمانانِ ہند کیلئے ایک بنیادی سوال:

تقریباً ۲۰ برس ہوئے جب میں نے بحیثیت ایک ہندوستانی مسلمان کے اس مسئلہ پر پہلی مرتبہ غور کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ دور زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت سیاسی جدوجہد کے میدان سے یک قلم کنارہ کش ہو چکی تھی اور عام طور پر وہی ذہنیت ہر طرف چھائی ہوئی تھی جو [illegible] میں کانگریس سے علیحدگی اور مخالفت کی صورت اختیار کر لی گئی تھی۔ وقت کی یہ عام آب و ہوا میرے غور و فکر کی راہ نہ روک سکی۔ میں بہت جلد ایک آخری نتیجہ تک پہنچ گیا اور اس نے میرے سامنے یقین اور عمل کی راہ کھول دی۔ میں نے غور کیا کہ ہندوستان اپنے تمام حالات کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے اور اپنے مستقبل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہم بھی اس کشتی میں سوار ہیں اور اس کی رفتار سے بے پروا نہیں رہ سکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اپنے طرزِ عمل کا ایک صاف اور قطعی فیصلہ کر لیں۔ یہ فیصلہ ہم کیونکر کر سکتے ہیں؟ صرف اس طرح کہ معاملہ کی سطح پر نہ رہیں۔ اس کی بنیادوں تک اتریں اور پھر دیکھیں کہ ہم اپنے آپ کو کس حالت میں پاتے ہیں۔ میں نے ایسا کیا اور دیکھا کہ سارے معاملے کا فیصلہ صرف ایک سوال کے جواب پر موقوف ہے۔ ہم ہندوستانی مسلمان ہندوستان کے آزاد مستقبل کو شک اور بے اعتمادی کی نظر سے دیکھتے ہیں یا خود اعتمادی یا ہمت کی نظر سے؟ اگر پہلی صورت ہے تو بلاشبہ ہماری راہ بالکل دوسری ہو جاتی ہے۔ وقت کا کوئی اعلان آئندہ کا کوئی وعدہ دستورِ اساسی کا کوئی تحفظ ہمارے شک اور خوف کا اصلی علاج نہیں ہو سکتا۔ ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ تیسری طاقت کی موجودگی برداشت کریں۔ یہ تیسری طاقت موجود ہے اور اپنی جگہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور ہمیں بھی یہ خواہش رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑ سکے۔ لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے لئے شک اور خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمیں خود اعتمادی اور ہمت کی نظر سے مستقبل کو دیکھنا چاہئے تو پھر ہماری راہِ عمل بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ہم اپنے آپ کو بالکل ایک دوسرے عالم میں پانے

لگتے ہیں۔ شک، تذبذب، بے عملی اور انتظار کی درماندگیوں کی یہاں پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی۔ یقین، عمل اور سرگرمی کا سورج یہاں کبھی نہیں ڈوب سکتا۔ وقت کا کوئی الجھاؤ، حالات کا کوئی اُتار چڑھاؤ، معاملوں کی کوئی چبھن، ہمارے قدموں کا رخ نہیں بدل سکتی۔ ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے قومی مقصد کی راہ میں قدم اٹھائے بڑھے جائیں۔

مجھے اس سوال کا جواب معلوم کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔ میرے دل کے ایک ایک ریشے نے پہلی حالت سے انکار کیا۔ میرے لئے ممکن نہ تھا کہ اس کا تصور بھی کر سکوں۔ میں کسی مسلمان کے لئے بشرطیکہ اُس نے اسلام کی روح اپنے دل کے ایک ایک کونے سے ڈھونڈ کر نکال نہ پھینکی ہو، یہ ممکن نہیں سمجھتا کہ اپنے کو پہلی حالت میں دیکھنا برداشت کرے۔

میں نے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" جاری کیا اور اپنا یہ فیصلہ مسلمانوں کے سامنے رکھا آپ کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ میری صدائیں بے اثر نہیں رہیں۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک کا زمانہ مسلمانانِ ہند کی نئی سیاسی کروٹ کا زمانہ تھا۔ ۱۹۲۰ء کے اواخر میں جب چار برس کی نظربندی کے بعد رہا ہوا تو میں نے دیکھا کہ سیاسی ذہنیت اپنا پچھلا سانچہ توڑ چکی ہے اور نیا سانچہ ڈھل رہا ہے۔ اس واقعہ پر بیس برس گزر چکے۔ اس عرصہ میں طرح طرح کے اُتار چڑھاؤ ہوتے رہے۔ حالات کے نئے سیلاب آئے۔ خیالات کی نئی نئی لہریں اٹھیں تاہم ایک حقیقت بغیر کسی تبدیلی کے اب تک قائم ہے۔ مسلمانوں کی عام رائے پیچھے لوٹنے کے لئے تیار نہیں۔

ہاں وہ اب پیچھے لوٹنے کے لئے تیار نہیں لیکن آگے بڑھنے کی راہ اس پر پھر مشتبہ ہو رہی ہے۔ میں اس وقت اسباب میں نہیں جاؤں گا۔ میں صرف اثرات دیکھنے کی کوشش کروں گا۔ میں اپنے ہم مذہبوں کو یاد دلاؤں گا کہ میں نے ۱۹۱۲ء میں جس جگہ سے انہیں مخاطب کیا تھا، آج بھی اسی جگہ کھڑا ہوں۔ اس تمام مدت نے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خاص حصہ رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری راہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔ میں اس متحدہ قومیت کا ایک اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل (FACTOR) ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا۔

ہندوستان کے لئے قدرت کا یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ اس کی سرزمین انسانوں کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل بنے۔ ابھی تاریخ کی صبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہوگئی اور پھر یکے بعد دیگرے سلسلہ جاری رہا۔ اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی اور اس کی فیاض گود نے سب کے لئے جگہ نکالی۔ ان ہی قافلوں میں آخری قافلہ ہم پیروانِ اسلام کا بھی تھا۔ یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشانِ راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لئے بس گیا۔ یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا میلان تھا۔ یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ بہتے رہے لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے۔ دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔ جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا اسی دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کے ڈھالنے کا کام شروع کردیا۔ ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے اور یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی۔ ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کردی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیئے۔ ہم نے اسے اسلام کے ذخیرہ کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی

اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی، ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیغام پہنچایا۔

تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعہ پر گزر چکی ہیں۔ اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ رکھتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب کا ہے۔ اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے۔ جس طرح آج ایک ہندو فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندوستانی ہے اور ہندو مذہب کا پیرو ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہم بھی فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہندوستانی ہیں اور مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔ میں اس دائرہ کو اس سے زیادہ وسیع کروں گا۔ میں ہندوستانی مسیحی کا بھی یہ حق تسلیم کروں گا کہ وہ آج سر اٹھا کے کہہ سکتا ہے کہ میں ہندوستانی ہوں اور باشندگانِ ہند کے ایک مذہب یعنی مسیحیت کا پیرو ہوں۔

گیارہ صدیوں کی مشترک ملی جلی تاریخ نے ہماری ہندوستانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے تعمیری سامانوں سے بھر دیا ہے۔ ہماری زبانیں، ہماری شاعری، ہمارا ادب، ہماری معاشرت، ہمارا ذوق، ہمارا لباس، ہمارے رسم و رواج، ہماری روزانہ زندگی کی بیشمار حقیقتیں، کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر اس مشترک زندگی کی چھاپ نہ لگ گئی ہو۔ ہماری بولیاں الگ تھیں۔ مگر ہم ایک ہی زبان بولنے لگے۔ ہمارے رسم و رواج ایک دوسرے سے بیگانہ تھے مگر انہوں نے مل جل کر ایک نیا سانچہ پیدا کر لیا۔ ہمارا پرانا لباس تاریخ کی پرانی تصویروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر وہ اب ہمارے جسموں پر نہیں مل سکتا۔ یہ تمام مشترک سرمایہ ہماری متحدہ قومیت کی ایک دولت ہے اور ہم اسے چھوڑ کر اس زمانہ کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے جب ہماری یہ ملی جلی زندگی شروع نہیں ہوئی تھی۔ ہم میں اگر ایسے ہندو دماغ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک ہزار برس پہلے کی ہندو زندگی واپس لائیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ کبھی پورا ہونے والا نہیں۔ اسی طرح اگر ایسے مسلمان دماغ موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ اپنی گزری ہوئی تہذیب و معاشرت کو پھر تازہ کریں جو وہ ایک ہزار برس پہلے ایران اور وسط ایشیا سے لائے تھے تو میں ان سے بھی

کیونکہ اس خواب سے جس قدر جلد بیدار ہو جائیں بہتر ہے کیونکہ یہ ایک قدیمی تخیل ہے۔ اور حقیقت کی سرزمین میں ایسے خیالات اُگ نہیں سکتے۔ میں ان لوگوں میں ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ تجدید (RENEWAL) مذہب میں ضرورت ہے مگر منافرت میں ترقی سے انکار کرتا ہے ہماری اس ایک ہزار برس کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچا ڈھال دیا ہے ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے۔ وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے صدیوں میں خود بخود بنا کرتے ہیں۔ اب یہ سانچا ڈھل چکا اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی۔ ہم پسند کریں یا نہ کریں، مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابلِ تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا۔ ہمیں قدرت کے فیصلہ پر رضامند ہونا چاہئے اور اپنی قسمت کی تعمیر میں لگ جانا چاہئے۔

حضرات! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میں اب اپنی تقریر ختم کرنا چاہتا ہوں لیکن قبل اس کے کہ ختم کروں مجھے ایک بات یاد دلانے کی اجازت دیجئے کہ آج ہماری کامیابیوں کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔ اتحاد۔ ڈسپلن (DISCIPLINE) اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر اعتماد۔ یہی ایک تنہا رہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا شاندار ماضی تعمیر کیا ہے اور صرف اسی سے ہم ایک فتحمند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں۔

ہماری آزمائش کا ایک نازک وقت ہمارے سامنے ہے ہم نے تمام دنیا کی نگاہوں کو نظارے کی دعوت دے دی ہے۔ کوشش کیجئے کہ ہم اس کے اہل ثابت ہوں۔

صدارتی خطبہ

آل انڈیا خلافت کانفرنس

۲۹ دسمبر ۱۹۲۵ء

حضرات! یہ دوسرا موقعہ ہے کہ آپ نے خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے مجھے منتخب فرمایا ہے پہلی مرتبہ ۱۹۲۰ء میں جب اس کا اجلاس ناگپور میں ہوا تھا۔ آپ نے یہی خدمت میرے سپرد کی تھی۔ اب پانچ سال کے بعد دوبارہ مجھے موقعہ دیا ہے کہ آپ کے اعتماد اور محبت کا شکریہ ادا کروں۔

پنج سالہ گردش حوادث:

پانچ سال کی یہ مدت انسانی عمر کی کوئی بڑی مدت نہیں۔ زمانہ کی غیر معلوم مگر طویل و عظیم عمر کا تصور کیجئے تو یہ پانچ برس اس کے ناپیدا کنار سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ ہستی نہیں رکھتے تاہم غور کیجئے تو نظام شمسی کی انہی پانچ گردشوں کے اندر انقلاب و تغیر کی کتنی گردشیں دنیا پر گذر چکی ہیں! انقلاب کا ایک کامل دور ہے جو ذہن اور جسم کے ہر گوشہ میں طاری ہے۔ جنگ عظیم گویا اس انقلاب کی پکار تھی۔ اب خود انقلاب تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہا ہے۔ ماضی کے نتائج ایک نئے مستقبل کے لئے ڈھل رہے ہیں اور مستقبل جلد جلد اپنے آثار و علائم بھیج رہا ہے۔

عالم اسلامی کے تغیرات:

آج اس محل میں ہماری بحث و نظر کا دائرہ ہندوستان اور عالم اسلامی کے اندر محدود ہے لیکن جغرافیہ عالم کے ان گوشوں کے حوادث بھی اس کے لئے کافی ہیں کہ ایک انقلاب انگیز عہد کے تاریخی خواص ان میں تلاش کئے جائیں۔

جدید ترکی کا ظہور اور نشوونما، مصر کی سیاسی حرکت کا اتار چڑھاؤ، مشرق میں یورپ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مقابلہ کیا جائے جبکہ مشرق کی تبدیلیاں آزادی اور ترقی کی طرف جا رہی ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا ملک قدم اٹھا کر صرف تھک ہی نہیں گیا ہے بلکہ واپسی کے لئے پیچھے دیکھ رہا ہے۔ افریقہ کے مٹھی بھر قبائل جس آزادی کی حفاظت کی راہ میں فرانس اور اسپین کی متحدہ طاقت کو پے در پے شکستیں دے سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہندوستان اپنی اتنی وسیع آبادی کے ساتھ جو موجودہ نسل انسانی کا پانچواں حصہ ہے۔ اپنی جہالت و غفلت کو بھی شکست نہیں دے سکتا۔ ہندوستان کی طرح شام میں بھی مختلف مذاہب اور نسل کی مشترک آبادی ہے۔ وہاں کے دروزی قبائل، عام مسلمان اور مسیحی جماعتیں [illegible] سے باہم گرم قتل و غارت میں سرگرم رہی ہیں۔ مسلمانوں اور مسیحیوں کے مذہبی اختلاف کے لئے صرف صلیبی لڑائیوں ہی کا افسانہ کافی ہے جس کے آٹھ خونی سیلاب اسی سرزمین میں سے گزر چکے ہیں۔ تاہم آج اپنے ملک کی آزادی کے لئے ان سب کا متحدہ نعرہ یہ ہے "الدین للہ والوطن للجمیع" وطن سب کے لئے ہے۔ اور ہر شخص کا دین اس کے لئے۔ لیکن ہندوستان کا حال کیا ہے؟ یہ ہے کہ اس کی بہترین تعلیمی اور سیاسی پیداوار بھی آج اس حد تک جانے کے لئے تیار نہیں۔ مذہبی منافرت، جماعتی تعصب، فرقہ وارانہ تنگ دلی اور محکومانہ ذہنیت کے تمام مفاسد ہماری راہ بند کر کے روکے کھڑے ہیں۔

مسلمانانِ ہند:

جہاں تک مسلمانانِ ہند کی جماعتی زندگی کا تعلق ہے سنہ ۱۹۲۰ء کی ابتداء سے ۱۹۲۵ء کا خاتمہ ہر اعتبار سے مختلف ہے۔ اگر انہیں دو مخالف سمتوں سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ گزشتہ حرکت کا سب سے زیادہ نمایاں اور موثر پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں میں متحدہ مقصد کے لئے متحدہ جد و جہد کی سرگرمی پیدا ہوئی۔ ان کی پراگندگی، نظم و انضباط سے آشنا ہوئی۔ انہوں نے ہندوستان کے موجودہ دور میں پہلی مرتبہ مقصد قوم، فرض اور ایثار کی راہ میں قدم اٹھایا۔ مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں وہ ملک کی

[illegible]

[illegible]

معمولی سی بیماری کے لئے بھی یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ کب تندرست ہو جائیگا۔ باوجودیکہ جسمانی صحت کے قوانین ہم نے منضبط کر لئے ہیں۔ پھر ہم ایک پوری قوم کے علاج میں کسی ایسے معجزانہ نتیجہ کے کیوں منتظر ہیں؟ اور ایک ابتدائی کوشش کی ناکامی یا نتیجہ کی تاخیر کیوں ہمیں سراسیمہ کر دے؟ ہم مرض کی کہنگی اور شدت پر غمگین ہونگے لیکن صحت کی طلب میں ہمارے جو عقائد اور یقین ہیں۔ اُن سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ ہند کے اصول و عقائد:

حضرات! یقیناً ملک کی موجودہ صورت حال ہر محب وطن کے لئے انتہائی غمگینی کا سامان ہے لیکن میں پوری سنجیدگی کے ساتھ اس پر اپنی حیرت ظاہر کرونگا کہ مایوسی یا انقلاب عقائد کا سامان کیوں ہو؟ کیا ہم نے ملک اور قوم کی نجات و ترقی کی راہ میں قدم نہیں اٹھایا ہے؟ کیا کروڑوں انسانوں کے ذہن و عمل کے انقلاب کا عظیم و گرانبار کام ہمیں درپیش نہیں؟ کیا مذہب، تاریخ، زبان، رسم و رواج، تہذیب اور معاشرت کے گہرے اختلافات اور جہل و غفلت کی بیشمار خرابیاں ہماری راہ میں حائل نہیں کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مرض صدیوں سے موجود ہے اور علاج کی عمر چند برسوں سے زائد نہیں؟ یہ چند برس بھی قوموں کی زندگی کے لئے زیادہ سے زیادہ چند ایام ہیں؟ اگر ان صاف اور سادہ سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو ضروری ہے کہ ہمارے سامنے اعتقاد و یقین اور علم کی روشنی موجود ہو۔ ہم نے ایک بے خبر اور ناآشنا آدمی کی طرح قدم نہ اٹھایا ہو جیسے راہ کی ہر مشکل متحیر کر دیتی ہے اور ہر رکاوٹ پر وہ ہمت ہار کر بیٹھ رہتا ہے۔ حالات کی تبدیلی، کوششوں کی ناکامی، مشکلوں اور رکاوٹوں کی کثرت سے ہماری کوششوں کی صورت اور مقدار میں تبدیلی ہونی چاہیئے۔ لیکن ہمارے عقائد اور اصول کیوں بدلیں؟ اگر ہندوستان کی نجات کی راہ میں غفلت و فساد نے نئی نئی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اعتراف کر لیں کہ اب منزل زیادہ دور ہوگئی اور کام اُس سے کہیں زیادہ ہے جس قدر ہم نے سمجھ رکھا تھا۔ لیکن یہ نتیجہ تو نہیں ہونا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تازہ ترین ہلاکت کن ہاتھوں سے انجام پائی ہے ؛ فرانس کے ہاتھوں سے اُس فرانس کے ہاتھوں سے جس نے اپنے انقلاب کی زبانی نوع انسانی کو حقوق، مساوات اور آزادی کا پیغام دیا تھا۔ اور جس کے روسو۔ والٹیر۔ میرابو اور لافییٹ وکٹر ہیوگو کے نقطوں میں نسل انسانی کے نجات دہندہ تھے۔

حضرات! تاریخ عالم کے موجودہ عہد کی اس ہولناک بربریت کے ذکر کے بعد جو نوع انسانی کی اس نجات دہندہ قوم کے ہاتھوں انجام پائی ہے۔ آپ قدرتی طور پر منتظر ہونگے کہ اب میں فوراً دنیا کی اخلاقی زبان کے وہ تمام الفاظ بول جاؤں۔ جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر بولے جاتے ہیں۔ میں انسانیت کا ذکر کروں، تہذیب کا حوالہ دوں، انسانی حقوق اور انصاف کی پامالی پر ماتم کروں، اور کم از کم آپ کو یاد دلاؤں کہ نام نہاد لیگ آف نیشنز اور یورپ کی فیاضانہ اور مربیانہ سکمیر داری کے نتائج یہ ہیں جو بدقسمت مشرقی اقوام کے حصہ میں آتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں کرونگا۔ یہ قطعاً بے سود ہے اتنا ہی نہیں بلکہ ایک معلوم و محسوس حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ میں انسانی ظلم و حرص کی اس ہولناکی کا تو ذکر کر سکتا ہوں جو موجود ہے لیکن انسانی تہذیب و انصاف کی ان امیدوں کا کیوں ذکر کروں جن کا فی الحقیقت کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

انسانی ظلم و ناانصافی ہمیشہ کی طرح آج بھی موجود ہے۔ اس لئے ہم اس کے نتائج دیکھ رہے ہیں۔ لیکن انسانیت اور انصاف کہاں ہے جس کی پامالی پر متوجہ ہوں۔ طاقت نے کمزوری اور غفلت کے ساتھ کب انصاف کیا ہے کہ آج کریگی؟ ہر انصاف جس کا مطالبہ کمزوری کرے۔ رحم ہے اور اس دنیا میں قومیں رحم نہیں کیا کرتیں۔ یہاں صرف طاقت اور ضرورت کا اعتراف کیا جاتا ہے اور اسی کا نام انصاف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ حقیقت کے خلاف ہر فریب خیال سے انکار کر دیں۔

سرزمین حجاز کے حوادث میں جہاں ایسے نتائج موجود ہیں جو عجب نہیں تاریخ اسلام کے لئے ایک نئے دور اصلاح و ترقی کا دروازہ کھولیں وہاں ہمارے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسلمانوں کے اس کارکن حلقہ کی نمائندگی کرتا ہے جس کے معتقدانہ اعمال کی چند خاص خصوصیتیں
ہیں اور انہی خصوصیتوں کی بنا پر اس کا ایک خاص حلقہ ملک میں قائم ہو گیا ہے۔ یہ حلقہ مسلمانان
ہند کی جماعتی زندگی میں سنہ ۱۹۲۰ء کی ایک نئی کڑی پیدا کرتا ہے جو سنہ ۱۹۱۱ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک
کے وسائل تغیرات کا قدرتی نتیجہ تھی۔ اگر یہ کڑی نکال دی جائے تو مسلمانوں کی سیاسی
عملی سرگرمی کی رفتار ترقی میں سے ایک منزل گم ہو جائے گی جہاں تک ہندوستان کا
تعلق ہے۔ اس حلقہ کی بڑی خصوصیات جو اسے دوسرے حلقوں سے ممتاز کرتی ہیں یہ
ہیں کہ یہ ہندوستان کی آزادی و نجات پر جو متحدہ قومیت کے ذریعہ حاصل ہو گی۔
یقین رکھتا ہے موجودہ صورت حال کی بندش اس کام میں کتنی ہی دشواریاں پیدا کرے
لیکن وہ تیار نہیں کہ اس نصب العین سے دست بردار ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کے
جماعتی حقوق و فوائد کا تحفظ ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن اس طریق عمل سے انکار کرتا ہے
کہ مسلمان ہندوؤں کے طرز عمل سے روٹھ کر اجنبی حکومت کی آڑ پکڑ لیں اور ان کی
ہستی ہمیشہ ملک کی قسمت کے لئے ایک چھڑی کی طرح استعمال کی جائے۔ اگر ہندوؤں
سے انہیں منصفانہ طرز عمل کا مطالبہ کرنا ہے تو پوری قوت سے کرنا چاہئے لیکن ساتھ
ہی ضروری ہے کہ ہماری باہمی آویزش ملکی جنگ کے میدان سے ہمیشہ الگ رہے۔
سب سے بڑھ کر یہ کہ عمل اور سرگرمی کے ان ابتدائی اور بیہودہ طریقوں پر وہ قطعاً
اعتقاد نہیں رکھتا جنہیں سنہ ۱۹۲۰ء کی تبدیلی کا دروازہ بند کر چکا ہے۔ کوئی مسلمان ہو وہ
یقین کرتا ہے کہ جدوجہد کی اصلی روح قربانی و ایثار اور عملی اقدام ہے۔ گزشتہ تحریک
ملک کی قوت عمل کے لئے ایک پورا امتحان تھی۔ جن جن قدموں میں چلنے کی سکت تھی وہ
چل اٹھے۔ جو نہ چل سکے انہوں نے ثابت کر دیا کہ اسباب کچھ ہوں لیکن ان کے لئے چلنا
مشکل ہے۔ اب جو حلقہ مسلمانوں میں سرگرم خلافت کمیٹی کا سمجھا جاتا ہے یہ گویا مسلمانوں
کی موجودہ قوت عمل کا خلاصہ ہے اگر موجودہ دور میں کسی طرح کی بھی عملی سرگرمی جاری رکھنی
ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ اسی مواد سے کام لیا جائے۔ اس سے باہر کوئی ایسا مواد موجود نہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] :

[illegible]

[illegible]

[illegible] :

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جس کو میں اپنے استحقاق کا نہیں بلکہ صرف آپ کے فیاضانہ حسنِ ظن ہی کا نتیجہ سمجھ سکتا ہوں۔ اگر میں اپنی ناچیز خدمات کے ذریعہ آپ کا ایسا اعتماد حاصل کر سکا ہوں تو مجھے یقین کرنا چاہئے کہ یہ میرے وطن و قوم کی جانب سے قبولیت کی ایک بہت ہی بڑی سند ہے۔ میں اس عزت کے لئے آپ کا شکر گذار ہوں مگر اُس ذمہ داری کے لئے جو آپ کے اعتماد کی مقدس امانت ہے آپ ہی سے ہمراہی و اعانت کی التجا کرتا ہوں۔ بلاشبہ آج ہمیں ایک نہایت مشکل وقت میں نہایت مشکل کام درپیش ہے لیکن ہمارا یقین متزلزل نہیں ہے اور گو ہمیں اپنی تدبیروں کی طرف سے شبہات رہے ہوں لیکن ہمیں اپنے مقصد کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں ہے ہماری عاجزانہ کوششیں حق اور انصاف کے لئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ خدا کی زمین میں اُس کا سب سے زیادہ پسندیدہ کام ہے اور اُس کی مرضی یہی ہے کہ ایسا ہو لیس یہ تو ضرور ہے کہ ہمیں اپنی درماندگیوں اور کمزوریوں کا اقرار ہو۔ ہم وقت کی آزمائشوں اور راستے کے کھٹکوں کی طرف سے فکرمند ہوں ہمیں مشکلوں اور رکاوٹوں کی سختیوں سے پورا پورا اندیشہ رہے لیکن ہمیں نتیجہ کی طرف سے کبھی ہراساں نہ ہونا چاہئے ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ خدا کی جس رحمت نے ابتدا کی بے سروسامانیوں میں ہمارا ساتھ دیا تھا وہ درمیان کی اس آزمائش میں بھی ہماری دستگیری کریگی اور بالآخر انجام کی فتحمندی بھی ہمارے ہی لئے ہے۔

ایک وقفۂ نظر:

حضرات! میں آج اپنے بحث و نظر کے محدود دائرے سے بے خبر نہیں ہوں خیالات کا ہجوم اور مطالب کی وسعت کتنی ہی میرے لئے ضبط آزما ہو لیکن میں اُن حدود کی طرف بڑھنے سے اپنی نگہبانی کرونگا جو آپ کے سالانہ اجلاس کے صدر کے لئے محفوظ رہنا چاہئیں علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ آپ اُس کی صدارت کے لئے ایک بہتر انتخاب کر چکے ہیں۔ میں اس سے آگاہ ہوں کہ یہ ایک انقلابی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پہلے کب نہ تھا؟ اس میں برطانی مواعید کی شکست ہے اور گزشتہ پانچ سال کے واقعات کے بعد کم از کم برطانیہ کے وعدوں کی شکست میں کوئی ندرت باقی نہیں رہی ہے اس میں ہندوستان کی عزت سے انکار ہے لیکن ہماری معلومات میں کوئی نظیر اس کے عزت و احترام کے اقرار کی بھی موجود نہیں۔ تاہم ان حضرات کے لئے ان معاملات میں ایسے انکشافات ہوئے ہیں جن کی تجربہ کی تکمیل اور حقیقت کے اعتقاد کے لئے ضرورت تھی۔ اب ان میں سے اکثر معترف ہیں کہ نام نہاد اصلاحات محض دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ اور ہندوستان کی خودداری کی حفاظت موجودہ حالات میں ناممکن ہے۔ نیز برطانیہ کے ٹوٹتے ہوئے وعدوں پر اب کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ بائیکاٹ کے سوا چارہ کار نہیں ہے اور یہ کہ امپیریل نمائش کا ہندوستان کو پوری قوت کے ساتھ بائیکاٹ کرنا چاہیئے۔ حضرات! ہم اس موقعہ پر ہرگز اس بات کی شکایت نہیں کریں گے کہ انہوں نے حقیقت کے اعتراف میں دیر کی۔ ہم یہ بھلا دیں گے کہ حقیقت اس تین سال سے پہلے بھی اتنی ہی بے نقاب تھی جس قدر فیصلہ کیا گیا کے بعد آج نظر آ رہی ہے کیونکہ حقیقت کا اعتراف جلد کیا یا بدیر لیکن بہرحال اعتراف ہے اور ستحسین کا مستحق ہے۔ جو اعتراف حقیقت کے لئے ہونی چاہیئے ہم ان سے صرف یہ کہیں گے کہ آپ کے وطن کو اب بھی آپ کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح تین سال پہلے تھی۔ اگر واقعی ہم سب کا اعتقاد ہے کہ ہندوستان کی عزت کی حفاظت کا وقت آ گیا تو کیوں نہ ہم اپنے اختلافات کے باوجود بھی اس ایک مقصد میں متحد ہو جائیں کہ ہندوستان کی عزت بچائی جائے۔

ترکی کی فتح عظیم:

حضرات! مجھے یقین ہے کہ آج آپ سب سے پہلے جس بات کے متوقع ہونگے وہ یہ ہے کہ میں آپ کے ایک پُرجوش جذبہ تہنیت کی ترجمانی کی عزت حاصل کروں جو آپ کی قومی جد و جہد کی تاریخ سے ایک عجیب مگر پُرفخر وابستگی رکھتا ہے اور جس میں

[illegible]

[illegible]

اسے یہ بھی حاصل ہوگئی ہے۔ ان میں اجنبی امتیازات (کیپی چولیشنز) اور غیر ترکی اقلیتوں کے اٹھا دینے کے لئے کوئی ذمہ داری نہیں لی گئی تھی جو قبل از جنگ بھی عثمانی شہنشاہی کی کامل خود مختاری کی نفی کرتے تھے مگر اب وہ بھی اٹھا دیئے گئے ہیں۔ ان میں ہم کہیں اس کا اشارہ نہیں پاتے کہ ترکی سے ایک ہارے ہوئے حریف کی طرح نہیں بلکہ ایک مساوی طاقت کی طرح معاملہ کیا گیا۔ برخلاف اس کے ہم ان وعدوں کو درہ دانیال کے بین الاقوامی کر دینے کا ذکر موجود پاتے ہیں لیکن صلحنامہ نے وہاں بھی ترکی کا اقتدار تسلیم کر لیا ہے۔ بلاشبہ یہ جو کچھ ہوا وعدوں کا مفاد ہے اور انصاف کی تعمیل ہے لیکن واقعات کی تکمیل کے لئے مجھے اتنا اضافہ اور کر لینے دیجئے کہ یہ سب کچھ اس لئے نہیں ہوا کہ وعدے پورے کئے گئے بلکہ اس لئے ہوا کہ وعدے فسخ کئے گئے اور طاقت کے وعدے اگر بزور شمشیر فسخ کر لئے جائیں تو وہ وعدوں سے بھی زیادہ دے دینے میں فیاض ہے۔ وہ فاتح کو سب کچھ دے دیتی ہے لیکن انصاف کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔

حضرات! یہ صلح فی الحقیقت ایک سوال ہے جس کے جواب میں عنقریب تاریخ عبرت کی داستانیں ترتیب دیگی۔ بلاشبہ انصاف پورا ہوا اور حق حقدار کو مل گیا۔ لیکن ان طاقتوں کو کیا ملا جنہوں نے انصاف کی پامالی کے لئے اپنی اٹل اور بے روک سرکشی کی قسمیں کھالی تھیں؟ برطانیہ کو کیا ملا جبکہ کامل چار سال تک اپنے ٹوٹے ہوئے وعدے کے ٹکڑے روندتی رہی اور ایک ایسے مضبوط ارادہ کے ساتھ جو اس نے انصاف کے لئے کبھی نہیں کیا، ظلم و جبر کی تکمیل کے لئے وقف ہوگئی۔ اس نے ترکی کو پامال کرنا چاہا مگر وہ اس کے سارے منصوبوں اور فیصلوں کے خلاف طاقتور ہوگئی۔ اس نے انصاف کے آگے جھکنے سے انکار کیا۔ لیکن وہ تلوار کے آگے سربسجود ہوگئی اس نے بار بار قلم سے فیصلے لکھے لیکن تلوار سے سب پارہ پارہ کر دیئے گئے۔ اس نے قوموں کے حاکم اور قسمتوں کے مالک کی طرح جب صلحنامے ترتیب دیئے تو ہندوستان

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بخت خفتہ ہی کو بیدار نہیں کیا بلکہ مشرق کے دروازہ پر بھی دستک دے دی۔ اب اُس کی گونج ایک طرف وسط ایشیا کے میدانوں میں پھیل رہی ہے۔ دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں اور ساحلوں پر سے گزر کر بحر ہند کی لہروں کو عبور کر رہی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی بازگشت عنقریب مشرق کے ایک ایک گوشے سے بلند نہ ہوگی؟

حضرات! ہندوستان مشرق کی اس عام جد و جہد سے اپنی قدرتی اور جغرافیائی وابستگی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی جد و جہد کو اس سے منسلک کرتا ہوا ربط و یگانگت کے وہ تمام جذبات محسوس کر رہا ہے جو ایک سرزمین کی مختلف جماعتوں میں وقت، حالات اور منافع کی یکسانی قدرتی طور پر پیدا کر دیتی ہے۔ پس وہ مشرق کی ہر اُس قوم کا خیر مقدم کرتا ہے جو انصاف اور آزادی کے لئے جد و جہد کر رہی ہے اور ہر اس قوم پر افسوس کرتا ہے جو اس راہ میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے ہے۔ وہ مصر، شام، فلسطین، عراق، مراکش اور دیگر اقطاعِ مشرق کے تمام محب الوطنوں کو یقین دلاتا ہے کہ ہندوستان کے کروڑوں دل ان کی کامیابی کے لئے مضطرب ہیں۔ وہ ان کی آزادی کو بھی اُس سے کم محبوب نہیں رکھتے جس قدر خود اپنے وطن عزیز کی آزادی کو۔

جزیرۃ العرب:

علی الخصوص وہ جزیرۃ العرب کے استقلال و حفاظت کے لئے اپنے عہد قدیم کو آج پھر تازہ کرتا ہے۔ یہ مطالبات خلافت کی سب سے زیادہ اہم اور غیر مبدل دفعہ تھی جس کا سنہ ۱۹۲۰ء میں اس ایوان نے اعلان کیا۔ ہندوستان کے لئے یہ مطالبہ صرف اسی لئے اہم نہیں ہے کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مذہبی اعتقاد اس سے وابستہ ہے۔ بلکہ ہندوستان خود اپنی آزادی کے لئے بھی اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہندوستان، مصر اور عرب کی جغرافیائی اور طبیعی حالت کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ ان کی سیاسی قسمت ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شروع کمزور ہوگئی ہے۔ اور اس لئے ہمیں خطرہ پیش آگیا ہے لیکن میں سب سے پہلے آپ کو توجہ دلاؤں گا کہ ان مشکلات کی نوعیت اور مقدار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر لیجئے اگر اس میں ذرا بھی کمی بیشی ہوتی تو عجب نہیں ہم ایک دوسرے خطرہ سے دوچار ہو جائیں آج ہم ایک ایسے وسط میں کھڑے ہیں جس کی ایک انتہا غفلت ہے اور دوسری مایوسی اگر ہم نے مشکلات کو اصلیت سے زیادہ سمجھا تو یہ غفلت کی طرف اقدام ہوگا۔ اور اگر کم کر کے دیکھا تو اس میں مایوسی کی طرف بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ ہمیں نہ تو غافل ہونا چاہیئے نہ خائف۔ ہم کو مقابلہ کرنا چاہیئے اور غالب آنا چاہیئے۔ لیکن یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہم مشکلات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر لیں؟ راہ میں ہتھیار سے پہلے تمازوں کی ضرورت ہے۔

قوانینِ اجتماع کی وحدت:

ہمیں چاہیئے کہ اس موقع پر دنیا کی اجتماعی زندگی کے وہ قدرتی قوانین یاد کر لیں جو اگرچہ ہماری معلومات میں موجود ہیں لیکن بسا اوقات جذبات کا غلبہ دماغ کی معلوم کی ہوئی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

ہم حرکت اور زندگی کے اس حیرت انگیز کرہ کی ایک ویسی ہی مخلوق ہیں جیسی ان گنت اور نامعلوم مخلوقات اس کی یکساں گردش کے ساتھ ظہور میں آتی رہی ہیں اور آج بھی اس کی آغوش میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ خود بھی اس کائنات ہستی کا ایک چھوٹا سا جزو ہے جس کی نسبت ہم نہیں جانتے کہ کتنا ہے اور کہاں تک ہے لیکن ہم نے جان لیا ہے کہ وہ اپنی ساری باتوں میں کامل طور پر یکساں ہے اور اگرچہ اس میں زندگی اور حرکت کے بیشمار مظاہر ہیں لیکن ان سب کے لئے ان کے خالق کی مرضی کی طرح قانونِ حیات بھی ایک ہی ہے۔ اس لئے اس میں نہ تو کوئی نئی بات ہوتی ہے۔ نہ اس کی کوئی ایک چیز دوسری چیز سے الگ اور مختلف ہے جو کچھ ایک مرتبہ ہو چکا ہے۔ وہی ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور جو ایک کے لئے ہوا ہے وہی سب کو پیش آتا ہے۔ وہ یکساں ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ذرائع وقتی ہے مگر جنگ کے لئے التوا نہیں ہمارے لئے ہشیاری سرگرمی اور کوشش کے مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ مگر ہم ان سے قطعی انکار کرتے ہیں کہ التوا یا تا میعادی کا کوئی سوال در پیش ہے لیکن جب میں نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں تو مجھے یہ بھی عرض کرنے دیجئے کہ غفلت کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں ہے ہمیں اپنی روزانہ زندگی کی حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ بیداری کتنی ہی بے حقیقت ہو لیکن غفلت اور بد پرہیزی سے فوراً مہلک بنا دی جا سکتی ہے۔ آج جو آزمائش ہمیں پیش آئی ہے۔ فی الواقع یہ ایک عارضی وقفہ ہے بشرطیکہ ہم اس کو زیادہ بڑھنے نہ دیں۔ ہم ایسا کیونکر کر سکتے ہیں؟ وقت کی مشکلات کا علاج کیا ہے؟ اس کا جواب ہم سب کو معلوم ہے لیکن اس پر عمل دشوار ہو رہا ہے۔ ہم کو صرف اتحاد کی ضرورت ہے اور ہم اسی کی ڈھونڈ میں آج یہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔

حضرات! آج کا یادگار دن اسی لئے آیا ہے کہ ہمیں اس آزمائش سے کامیاب گزر جانے کی نہایت قیمتی مہلت دے۔ ہم نے آج تمام دنیا کی نگاہوں کو دعوت دی ہے کہ وہ ہماری آزمائش کے نتیجہ کا تماشہ دیکھیں۔ کیا ہم اس کی یادگاروں کا بہترین استعمال کرینگے اس کا جواب ہمیں چند گھنٹوں کے اندر دینا ہے۔

لاتعاون سلمی:

حضرات! میرے لئے ناگزیر ہے کہ میں اپنی گزارش کسی ابتدائی سرحد سے شروع کروں ہم نے حصول مقصد کے لئے عام تشدد اور ترک تعاون کا اصول اختیار کیا ہے۔

نان کوآپریشن کی بنیاد دراصل دنیا کے اس سادہ مگر عالمگیر اعتقاد پر ہے کہ ہمیں برائی کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے اور اسے اکیلا چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ وہ پھول پھل نہ سکے۔ دنیا کے تمام مذہبوں اور اخلاقی تعلیمات کی یہ ایک مشترک سچائی ہے اگر اس اصولی تعریف میں برائی کا لفظ نقصان سے بدل دیا جائے اور میرے خیال میں دونوں کو مترادف ہی ہونا چاہیئے تو پھر یہ نوع انسانی کا صرف عالمگیر اعتقاد بلکہ حیوانی فطرت

کا ایک قدرتی رجحان ہو جاتا ہے اور یہاں بھی مذاہب کی صدائیں ہمارے کانوں میں پہنچتی ہیں۔ اسلام نے اپنے پیرؤں کو "ترک موالات" کا حکم دیا ہے جس کا منشا یہی ہے کہ جن دشمنوں کے کاموں میں تمہارے لئے قومی نقصان ہے تم کسی طرح ان کی مدد اور مضبوطی کا ذریعہ نہ ہو۔ دوسرے مذہبوں میں بھی ایسی ہی تلقین موجود ہے۔

قوموں کی سیاسی جدوجہد کے میدان میں دیکھا جائے جب بھی یہ نہ صرف ایک متفقہ اعتقاد ہے بلکہ متفقہ عمل ہے یہ بالکل ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی قوم اور جماعت اپنے آزادانہ حقوق کو ایجیٹیشن کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکی ہے۔ ہر قوم نے اپنے حقوق جدوجہد کرکے حاصل کئے ہیں اور جدوجہد مقابلہ اور کشمکش ہے کو ایجیٹیشن نہیں ہے۔

مقاطعہ اور مقاومت سلبی یا سول ڈس اوبیڈینس بھی جو اس کے سب سے زیادہ قوی ہتھیار ہیں کوئی نئی تعلیم نہیں ہے کمزور افراد اور جماعتیں جب کبھی مسلح مقابلہ سے مجبور ہوئی ہیں تو انہوں نے اسی طریقہ کو اپنے مقاصد کی حفاظت کا تنہا ذریعہ پایا ہے۔ مذہب، اخلاق اور قومیت کی یہ متفقہ آواز دنیا کی بہت پرانی چیز ہے کہ معصیت برداشت کرو، مگر حق سے منہ نہ موڑو۔ کہا جا سکتا ہے کہ ہر مذہب اور تعلیم کی ابتدائی کمزوری اور بے بسی میں صرف یہی اصول ثبات و قرار کا ذریعہ ہوا ہے۔ ہم اس کا عکس سقراط کے جام زہر میں دیکھتے ہیں۔ یروشلم کی صلیب پر نقش پاتے ہیں اور مکہ کی گلیوں میں بھی اس کا غلغلہ سنائی دے چکا ہے۔ مسیحی مذہب کی ابتدائی دو صدیاں تمام تر اسی کا افسانہ ہیں۔ روم کے قیصر سیویرس کے زمانہ میں جب کہ مسیحی چرچ کی ابتدائی بنیادیں ظلم و ستم کے طوفان سے ہل رہی تھیں، یہی اصول تھا جس کی غیر مسخر قوت اسے تھامے رہی۔ اسی عہد کے ایک مسیحی خداکار ٹرٹلین کی ایک تحریر آج تک محفوظ ہے جو اس نے رومی عدالتوں کے سامنے بطور اپنے تحریری بیان کے پیش کی تھی۔ اس کے یہ الفاظ ہم امریکن مصنف ڈریپر کی کانفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس میں پڑھ سکتے ہیں:۔

"اگرچہ ہماری جماعت کو بنے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا لیکن

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نے بہت محدود کر دیا ہے اور جس قدر بھی ہے۔ اس طرح کام میں لائی جا سکتی ہے کہ اس کی نتیجہ
کم سے کم صورت میں باقی رہ جائیں۔ ایثار، ضبط نفس اور اخلاقی روح کی بلندی اس کے
جنگ کے اصلی ہتھیار ہیں۔ تاہم وہ اس بارے میں بھی پوری رواداری برتتا ہے اور بجز ایک
مرکزی اور ملک کے لئے خود بخود بننے والی جماعت کے اور کسی سے ایسا مطالبہ نہیں کرتا جس
کا پورا کرنا ملک کی عام استعداد کے لئے بہت دشوار ہو۔ موجودہ شکل میں پورے وثوق کے
ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام حقوق طلب جماعتوں کے لئے ایک ایسا سیاسی دستور العمل
بن گیا ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ واضح، سادہ اور اس لئے عملی ہو سکتا ہے اور دنیا کی
قوتوں کی غیر مسلح فتحمندی کا یقین دلاتا ہے ان میں نہ صرف اصول کی سچائی ہی ملحوظ ہے
بلکہ عمل کی بھی تمام دشواریوں پر نظر رکھی گئی ہے۔

ترتیب عمل:

حضرات! نان کوآپریشن کے پروگرام کی بعض دفعات کی نسبت ہم میں جو اختلاف
پیدا ہو گیا ہے۔ وہ اگرچہ فی الحقیقت صرف اس کے ایک جزوی طریق عمل سے تعلق
رکھتا تھا لیکن جب اس نے بحث و مباحثہ کی صورت اختیار کر لی تو جیسا کہ قاعدہ ہے
طرح طرح کے نئے نئے سوالات پیدا ہوتے گئے۔ اب سب سے پہلے جو سوال ہمارے سامنے
آتا ہے۔ وہ ہمارے موجودہ پروگرام کی نوعیت کا ہے۔ یہ پروگرام ایک مرتبہ عمل میں لایا گیا
اور جس قدر نتائج اس وقت حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے حاصل کئے۔ لیکن جنگ کسی فیصلہ
کن نتیجہ تک نہ پہنچ سکی۔ اس کے تمام معرکے ابھی باقی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ حالت
میں اس پروگرام کی نوعیت کیا ہے؟ کیا یہ ایک ایسا پروگرام تھا جو صرف ایک ہی مرتبہ
عمل میں لایا جا سکتا تھا۔ اگر یہ چل گیا تو چل گیا۔ نہیں تو پھر کسی دوسرے پروگرام کی جستجو
کرنی چاہئے۔ یا یہ اخلاق اور مذہب کی دعوت کی طرح ایک دائمی اور غیر متغیر دعوت ہے
جسے کسی غیر معلوم وقت تک کے لئے ہمیں کرتے رہنا چاہئے۔ ہمارا مقصد اس دن حاصل
ہوگا جس دن تمام ملک یا ملک کا غالب حصہ اس پر پورا پورا عمل کرے گا۔ اگرچہ ایسا وقت

[illegible]

اپنی کامیابی کے لئے کسی ایسے وقت کا انتظار بالکل ضروری نہیں سمجھاجاتا جب ملک کے تمام کواپریٹر نوان کو اپریٹر ہوجائیں۔ یا ایک بڑی اکثریت اس کے پروگرام پر عمل کرلے۔ بلکہ اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس کے لئے صرف ایک خاص مقدار کا عمل کفایت کرتا ہے۔ اگر اتنی مقدار مہیا ہوجائے تو وہ گویقیہ کامیاب ہونے کا تشمنہ رہیگا لیکن اس کے انتظار میں رُکے گا نہیں۔

صورت اس کی یہ ہے کہ اس نے اپنے عمل کو دو قدرتی حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک جنگ کے لئے سواد کا مہیا کرنا اور ایک خود جنگ کا معرکہ جنگ کے سروسامان کے لئے آسے آدمیوں کی ضرورت ہے اور اس اسپرٹ کی جو وہ اپنی غیر مسلح جنگ کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ جنگ کے میدان کے لئے اُسے ایسے مناسب تصادم کی ضرورت ہے جو اس کی سلبی (پاز ٹیو) قوت اور دفتری اقتدار میں پیدا ہوجائے اور جو بالآخر ایک فیصلہ کن معرکہ کی طرح نتیجہ خیز ثابت ہو۔

پہلی غرض کے لئے اُس نے وہ پروگرام اختیار کیا ہے جس میں وہ سرکاری درباروں تعلیم گاہوں اور عدالتوں سے نوان کواپریشن کی دعوت دیتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ کواپریشن کی انہی بستیوں میں ایسے آدمی موجود ہیں جو دفتری اقتدار اور قومی جدوجہد دونوں کے لئے بہترین سپاہی ہوسکتے ہیں پس وہ ان کو بلاتا ہے تاکہ ایک طرف حریف کے قبضہ سے اس کی بہترین فوج نکل سکے۔ دوسری طرف اس کی جنگ کے لئے بہترین سپاہی مہیا ہوجائیں۔ جب اس دعوت کے ذریعہ ایک تعداد فراہم ہوگئی تو گویا اس نے اپنی پہلی فوج تیار کرلی۔ اب یہی فوج اُس کی تمام جدوجہد کے لئے اصلی اور مرکزی فوج ہے۔ اس کی تمام آئندہ امیدیں ملک سے نہیں بلکہ اسی جماعت سے وابستہ ہیں۔

یہ پہلی فوج ایک طرف بلاانتظار جنگ شروع کردیگی۔ دوسری طرف اپنی دعوت اور عملی نمونہ کی تاثیر سے وقتاً فوقتاً نئی نئی جماعتوں کو بھی اپنے میں جذب کرتی جائیگی۔

دوسری غرض کے لئے اُس نے مقاومت سلبی یا سول ڈس اوبیڈینس کا پروگرام

اختیار کیا ہے۔ یہی اس کی اصل جنگ ہے اور اسی پاس کے مقصد کا فیصلہ موقوف ہے۔

پس اس طریق عمل نے اس سوال کو بالکل غیر ضروری کر دیا ہے کہ تمام ملک نوان کوا پرشن پر ایک معین وقت کے اندر عمل کر سکے گا یا نہیں؟ اور اگر ایک بڑی تعداد اس پر عمل کر کے عدالتوں اور کونسلوں سے نکل بھی آئی تو ہم اسے اپنی جاری جنگ کے ہر وقت میں یکساں استقامت کے ساتھ اپنے ساتھ رکھ سکیں گے یا نہیں؟ اگر تمام ملک عمل نہیں کر سکتا تو نہ کرے اگر بہت سے لوگ اس پر عمل کر کے قائم نہیں رہ سکتے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نوان کوا پرشن کو اس پر افسوس ہو گا مگر ہراس نہ ہو گا۔ بلاشبہ وہ بطور ایک اعتقاد اور فرض کے سب کو بلاتا ہے یقین بطور ایک یاد دہانی کے پروگرام کے وہ کسی ایسی عمل اور یکساں حالت کا بالکل محتاج نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے کہ جماعت کے اعمال عقل و استدلال کے تابع نہیں ہیں۔ تمام تر جذبات کی مخلوق ہیں۔ جماعت یا تو دوڑتی ہے یا بیٹھ جاتی ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ یکساں رفتار سے چلتی رہے پس یہ ناگزیر ہے کہ اتار چڑھاؤ ہوتے رہیں۔ جب کبھی ایک خاص طرح کی فضا پیدا ہو جائیگی ایک اشارے پر ہزاروں قدم دوڑنے لگیں گے پھر جب وہ بدلے گی تو بار بار کے بلاوے پر بھی ایک قدم جنبش نہ کریگا۔

ایسی فضا کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ صرف جنگ سے۔ اس کی جنگ کی فرسٹ لائن ڈیفنس ہے پس اگر وہ کسی بات کے لئے فکرمند ہے تو وہ صرف اس کی پہلی اور مرکزی فوج ہے اس کے میدان کی فتح و شکست کا دارو مدار اس کی اخلاقی فتح و شکست پر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ پہلی فوج خواہ کتنی ہی کم تعداد میں ہو لیکن اپنے اندر کمیت کی نہیں بلکہ کیفیت کی قوت پیدا کر لے۔ وہ نوان کوا پرشن کا اپنے آپ کو مجسم عملی نمونہ بنالے۔ پہاڑ کی طرح اٹل اور سمندر کی طرح لبریز ہو جائے وہ قربانیوں پر قربانیاں کرتی جائے اور عملی نمونہ کی کشش اور گیرائی سے ملک کی غفلت اور اعراض کو شکست دے دے اس کو یقین ہے کہ اگر ایسی جماعت ملک میں قائم ہو گئی اور اس نے اپنی جنگ جاری رکھی تو یہ اس طرح کی کشش کے نفسیات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ادائے فرض کی کوتاہی سے یہ اس اعتماد کا بھی صحیح استعمال نہ ہوگا جو آج آپ نے مجھ پر ظاہر فرمایا ہے۔

سب سے پہلی بات جو اس اختلاف کی نسبت میں عرض کرونگا۔ وہ یہ ہے کہ اول روز سے جس قدر اہمیت اس مسئلہ کو فریقین کی جانب سے دی گئی ہے۔ مجھے کلیتہً اس سے اختلاف ہے۔ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ دراصل ہماری تمام موجودہ مشکلات کی اصل بنیاد اسی غلطی پر ہی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جب کبھی کوئی اختلاف رائے پیدا ہو۔ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم دیکھیں یہ اصول کا اختلاف ہے یا فرع کا ؟ اس کا اثر کسی جڑ پر پڑتا ہے یا محض شاخ پر؟ اگر وہ اختلاف اصول کا اختلاف ہے تو بلاشبہ ہمارا فرض ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ ثبات و استقامت اس میں ظاہر کریں۔ نرمی اور درگزری کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ کثرت و قلت رائے کا سوال اس کے لئے خارج از بحث ہے۔ ڈسپلن کا سوال بھی اس پر موثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر وہ محض ایک شاخ کا اختلاف ہے تو پھر صورت حال بالکل بدل جاتی ہے یہاں بھی ہمیں اپنی رائے میں کمزور ہونے کی کوئی وجہ نہیں لیکن عمل میں اتنا سخت نہ ہونا چاہئے کہ کسی طرح کی لچک قبول نہ کریں۔ ضرورت ہوگی تو ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں گے، کوئی بڑی مصلحت سامنے آجائیگی تو اس چھوٹی چیز کو اس پر قربان بھی کر دینگے۔ جماعت کا ساتھ۔ مجارٹی کا اتباع۔ نظام کا ڈسپلن، سب اس سے اوپر رہیں گے۔ اس کے لئے چھوڑ نہیں دیئے جائیں گے۔ عزم اور ثبات یقیناً انسان کیلئے اول درجہ کے اوصاف ہیں مگر اسی حال میں جب کہ اپنے صحیح محل پر خرچ کئے جائیں اور صحیح تعداد میں خرچ کئے جائیں۔ میں بلا کسی تامل کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کا اختلاف نوان کواپریشن کے لئے قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا۔ نوان کواپریشن بہ حیثیت ایک اصول کے کیا ہے ؟ میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی شخص اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ پروگرام کی دفعات ہیں جن میں کالج، عدالت اور کاونسلوں کے نام ہمیں ملتے ہیں۔ یقیناً وہ سرکاری

[illegible]

[illegible]

اتنی بات پڑ رہے ہیں کہ ہتھیار کیسا ہو؟ لیکن اس کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ آج فوج کا کیا حال ہو رہا ہے۔ اگر فوج ہی منتشر ہوگئی تو پھر آپ کو اچھی سے اچھی بندوق بھی کیا کام دے گی؟ مان لیجئے کہ کاؤنسلوں کا بائیکاٹ ہی سب سے بڑا کام ہے یا کاؤنسلوں میں قبضہ کرنے میں دنیا جہان کی فتح ہے۔ تاہم جب آپ کی کوئی متحدہ طاقت ہی نہ رہی۔ آپ کا نظام الٹ گیا کسی قومی مرکز کا ڈسپلن قائم نہ رہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندو مسلم اتحاد میں رخنے پڑ گئے تو فرمائیے آپ بائیکاٹ کیونکر کریں گے؟ کونسلوں کی نشستوں پر کیونکر قابو پائیں گے۔

افراط و تفریط:

حضرات! ہمارے سامنے محافظت کی اصلی چیز جزئیات نہیں ہیں اصول ہیں لیکن یہ کسی طرح صحیح طرز عمل نہ ہوگا کہ ہم کسی جزوی مسئلہ کے جوش میں اس قدر دور چلے جائیں کہ اس کی وجہ سے نئے نئے اصولوں کے قائم ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے اور وہ آگے چل کر ہمارے لئے اصلی مشکلات پیدا کر دیں۔ اس اختلاف نے سبب دو جماعتیں قائم کرکے فرقہ وارانہ بحث و نزاع کی شکل اختیار کر لی تو یہ ناگزیر تھا کہ افراط و تفریط کی طرف میلان پیدا ہو لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم اس سے اپنے دل و دماغ کی نگہبانی کریں ہمیں کبھی کورانہ تقلید کی دعوت نہیں دینی چاہئے لیکن ہمیں ہمیشہ اطاعت (ڈسپلن) میں مضبوط رہنا چاہئے۔ تقلید سے مقصود ایسی دماغی حالت ہے جب کہ انسان کسی بڑے آدمی کی پیروی کرتا ہوا حد اعتدال سے گزر جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ اپنے ذہن و دماغ سے کام لے محض ایک شخص کا قول اس کے لئے حق و باطل اور صحیح و غلط کا معیار بن جاتا ہے۔ مذہب اور علم دونوں کے ماتحت میں اس طرح کی تقلید انسانی ترقی و سعادت کے لئے سب سے بڑی روک ثابت ہوئی ہے اور ہمیں کبھی نہیں چاہئے کہ سیاست کو بھی اس سے آشنا کریں۔ برخلاف اس کے اطاعت سے مقصود ایسی پیروی ہے جو ایک سپاہی اپنے کمانڈر کی کرتا ہے جس طرح تقلید ہر طرح کی ترقی و کامیابی کے لئے روک ہے۔ اسی طرح اطاعت ہر جماعتی عمل کے لئے پہلی شرط ہے ممکن ہے کہ کمانڈر نے حکم دینے

[illegible]

تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ہمارا پہلا مقابلہ ہو چکا۔ ہم اس وقت ایک وقفۂ جنگ کی حالت میں ہیں اور ہمیں آئندہ مقابلے کے لئے تیار ہونا چاہئے ہمارا فیصلہ کن مقابلہ بجز سول ڈس او بیڈینس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس سول ڈس او بیڈینس سے بالفعل قطع نظر بھی کر لیں جب بھی ہمیں ڈیفنس سول ڈس او بیڈینس کی طاقت پر پورا اعتماد ہے۔

البتہ اس کے لئے ایسے حالات کی ضرورت ہے جن میں بعض تو ہماری تیاریوں سے تعلق رکھتے ہیں بعض کا تعلق تمام تر دفتری اقتدار کے طریق عمل سے ہے۔ ایک خاص طرح کا طریق عمل وہ اختیار کرے۔ جب کہیں وہ صورت پیدا ہو سکتی ہے جو ہمیں مطلوب ہے، مثلاً وہ جبر و تشدد کے ذریعہ ہماری سرگرمیوں کو روکے، یا قوانین کا غلط استعمال کرے جیسا کہ پچھلے موقعوں پر اُس نے کیا تھا۔ بلاشبہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے لیکن ساتھ ہی مطمئن رہنا چاہیئے کہ موجودہ حالات کے قدرتی قوانین ہمارے بس میں ہیں۔ ہمیں صرف یہی معلوم نہیں ہے کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں بلکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارا مقابل فریق گمراہ ہے اور یہ ایسے مقابلہ کی طبیعت ہے کہ گمراہ حریف ٹھوکریں لگیں۔ ہندوستان میں آج دفتری اقتدار کے افراد اور ہندوستانیوں کے دلوں کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ ایک غلط نظام اور صحیح مطالبہ میں مقابلہ ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ اس سے غلطیوں پر غلطیاں ہوں اور ضروری ہے کہ قومی جد و جہد نئی نئی طاقتیں اور مہلتیں حاصل کرے ہمیں یقین کرنا چاہیئے کہ اگر ہم نے اپنی تیاریاں قائم رکھیں تو تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ایسی فضا پھر پیدا ہو جائیگی کہ ہم اپنا دوسرا فیصلہ کن معرکہ شروع کر سکیں گے جونہی معرکہ شروع ہوگا پھر از سر نو سپاہیوں کے لئے کشش پیدا ہو جائیگی۔ ہم دیکھ لیں گے کہ بستر خالی ہو گئے ہیں اور میدان پھر سے بھر رہا ہے۔

کونسلوں کا مقابلہ:

لیکن یہ وقفہ کیونکر اس طرح بسر کیا جائے کہ جلد سے جلد مقابلہ کیلئے مناسب فضا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کسی خادم علم و ملت کو حاصل ہو سکتی ہے لیکن دنیا کی تمام عزتوں کی طرح اوار فرض و مسئولیت کا بار گراں بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ میں آپ تمام بزرگان دین کا شکر گذار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جس طرح آپ کے لطف و کرم نے میری بے بضاعتی کو قبول فرما لیا ہے۔ اسی طرح آپ کی رفاقت و مساعدت میری کمزوری اور درماندگیوں کے لئے بھی پردہ پوش ہوگی۔ آئیے عزم و عمل کی اس نازک اور پر آشوب گھڑی میں ہم سب کے دل اس کار فرمائے حقیقی کے آگے جھک جائیں جس کے فضل و کرم کے بغیر ہماری کوئی سعی و جستجو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ وہ کریم کارساز ہماری درماندگیوں اور بیچارگیوں پر رحم فرمائے۔ ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو بخش دے اپنی رحمتوں اور برکتوں کا دروازہ ہم پر کھول دے۔ اور اس کی توفیق چارہ ساز کی دستگیری سے ایسا ہو کہ ہم سب کی نیتیں خالص، ہم سب کے اعمال صالح، ہم سب کے ارادے راسخ، اور ہم سب کے قدم جادۂ حق و صدق اور صراط مستقیم پر قائم و استوار ہو جائیں۔ ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا :

نظارۂ مجلس :

حضرات علمائے کرام قبل اس کے کہ ہمارا سفر نظر و فکر شروع ہو۔ مجھے ایک لمحہ کیلئے ان عزیزان ملت سے مخاطب ہونے دیجئے جو آج آپ کی مجلس میں چشم نظارہ اور دل بہ شوق لے کر شریک ہوتے ہیں۔

اے عزیزان ملت! آئیے ایک نظر تفکر اس منظر پر ڈال لیجئے جو اس وقت آپ کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ آپ میں بہت سی آنکھیں ایسی ہونگی جنہوں نے دنیوی جاہ و جلال کے بڑے بڑے منظر دیکھے ہونگے۔ بہت سی آنکھیں ایسی ہونگی جن کے سامنے بار ہا ارباب حکومت و دولت کی شان و شوکت نے جلوہ فروشیاں کی ہونگی اور عجب نہیں کہ کچھ نظریں ایسی بھی ہونگی جو حکمرانوں کے درباروں کی ہیبت و جبروت کا نظارہ کر چکی ہوں لیکن آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کشش و نظر فریبی کے ان تمام سامانوں اور جلوؤں میں سے کوئی ایک بات بھی یہاں نظر نہیں آتی۔ دولت کی شان و شوکت کا یہاں نام و نشان

[illegible]

ان کے دل غافل ہو گئے تو دنیا نے بھی ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن اے نظارہ گیانِ مجلس! خواہ زمانے کے انقلابات و حوادث نے انہیں کتنا ہی حقیر و بے مرتبت بنا دیا ہو، لیکن خدارا آپ چشمِ حقارت سے نہ دیکھیں یہی ہیں جنہوں نے اسی دنیا میں خدا کے رسولوں کی نیابت کی ہے۔ یہی ہیں جو ان کی وراثت کے حقدار ٹھہرے ہیں۔ یہی ہیں جن کے ہاتھوں میں امتِ مرحومہ اور خیر الامم کی قیادت و ہدایت کی باگ رہی ہے۔ یہی ہیں جو آج تیرہ سو برس سے خدا کی زمین پر اس کے کلمۂ حق کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہی ہیں جن کی عظمتِ لازوال کے نقوش صفحۂ عالم پر ثبت ہیں۔ اور جن کی ہیبت و سطوت کے افسانے آج تک زبانِ تاریخ پر جاری ہیں! اور پھر یاد رکھئے کہ یہی ہیں جو باوجود اپنی تمام کوتاہیوں اور درماندگیوں کے اب بھی آپ کی قسمت کے مالک اور آپ کی سعادت و شقاوت کی باگ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ آپ کو اگر زندگی مل سکتی ہے تو انہی کے ہاتھوں سے اور اگر آپ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں تو صرف انہی کی اطاعت اور پیروی سے!

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید — کیں حریفاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند
قدسیاں بے بہرہ اند از جرعۂ کاس الکرام — ایں تطاول بیں کہ با عشاقِ مسکیں کردہ اند

اخلاصِ نیت اور اصابتِ عمل:

حضرات! ہمارا یہ اجتماع اور اشتغال ایک جماعتی عمل ہے۔ ہم سب جمع ہوئے ہیں کہ اپنے گم کردہ مقصد کی جستجو کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکمتِ الٰہی نے تمام اعمال کی کامیابی کے لئے جو شرائط مقرر کر دی ہیں، وہ اس عمل کی کامیابی کے لئے بھی ضروری ہوں۔ پس ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مقصد کی جستجو سے پہلے خود اپنے اندر ان شرائط کی جستجو کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا کی ہیں۔ دماغ دیا ہے جو ارادہ کرتا ہے اور اعضاء و جوارح دیئے ہیں جو اس ارادے کو فعل میں لاتے ہیں۔ پس ہر انسانی عمل کی کامیابی کے لئے قدرتی طور پر دو باتیں ضروری ٹھہریں۔ ارادہ کا صحیح ہونا اور فعل

فلاح وکامیابی کی لذت حرام ہے۔ جو اخلاص نیت کی دولت سے محروم ہو۔ اخلاص نیت سے مقصود یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اس سے مقصود صرف ادائے فرض ہو اور اللہ اور اس کی مرضیات ہوں۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ غرض نفس اور ذات کی خواہشوں اور آلودگیوں کو اس میں دخل نہ ہو۔

قرآن حکیم نے جا بجا انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ یہی بتلایا ہے کہ خدمت انسانی اور دعوت امت کی راہ میں ان کا اعلان یہ تھا: وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت امام دارمی نے روایت کی ہے کہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے: اللھم اجعل عملی کلہ صالحا، واجعلہ لوجھک خالصاً، ولا تجعل لاحد فیہ شیئاً!

حضرات! گزشتہ پچاس برس سے ہندوستان میں مختلف اغراض ومقاصد سے مجالس واجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور جہاں ان کا وجود ہمارے تمام اجتماعی اعمال کے لئے بحکم شوریٰ ضروری ہے۔ وہاں نیات ومقاصد کے لئے ایک نئی امتحان گاہ بھی پیدا ہو گئی ہے۔ ان مجالس میں شہرت کے ذرائع ہیں، ترفع کے مواقع ہیں، نمود ونمائش کے مطامع ہیں۔ ان میں تقریریں کی جاتی ہیں جن کی تحسین میں نعرہ ہائے توصیف بلند ہوتے ہیں۔ ان کے عہدے اور مناصب ہیں جن کے لئے امیدواروں میں منافست ومسابقت کی کشمکش ہے۔ ان کی صدارت وریاست ہے جس کی طمع بسا اوقات ہمارے اخلاص عمل پر غالب آجاتی ہے۔ پس ہم سب کا پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ اپنی اپنی نیتوں اور ولولوں کا کامل راستبازی کے ساتھ مراقبہ کریں۔ اور ان مہلکات راہ سے ایک لحہ کیلئے بھی غافل نہ ہوں۔ ہمارا مقصد نہایت عظیم ہے اور ہم نے ادائے فرض اور خدمت انسانی کی ایک ایسی راہ میں قدم رکھا ہے جس سے بڑھ کر ذمہ داری کی انسان کے لئے کوئی راہ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے کاندھوں پر اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی نیابت کا مقدس بوجھ ہے اور ہمارے سامنے حق کی شہادت اور امت مرحومہ کی احیاء وتجدید کا عظیم الشان ۔

کام ہے حقیقت ہے اگر ایک ایسے مقدس اور پاک کام میں بھی اپنی نیتوں کو پاک نہ رکھ سکیں اور اغراض و اہوا کی ایک ادنیٰ کدورت بھی ہمارے دلوں کو ملوث کر سکے۔ پس ہر حال میں پہلا کام تصحیح و اخلاصِ نیت کا ہے۔ جب تک اس اولین منزل سے قدم کامیاب نہ گذر جائیں گے، فوز و فلاح کی کوئی منزل رونما نہیں ہو سکتی۔

دوسری شرط اس راہ کی صحتِ عمل ہے۔ صحتِ عمل سے یہ مقصود ہے کہ جب ارادہ و اعتقاد صحیح ہو گیا تو اب اس کو فعل میں لانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے جائیں، وہ منہجِ حق و صواب پر ہوں یعنی ہر طرح کی گمراہی، کجروی اور کم سوادی و نقائص سے محفوظ ہوں۔ اس بارے میں قرآن حکیم نے ہمیں بتلایا ہے کہ تمام برکاتِ عمل کا اصلی مبداء و سرچشمہ انبیاء کرام کا اسوۂ حسنہ ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ اور پانچ وقت ہم خدا کی سکھلائی ہوئی یہ دعا مانگا کرتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیہم۔

سورۂ نساء میں بتلا دیا ہے کہ جماعت من انعم اللہ علیہم کون ہے؟ فرمایا ہے سب سے پہلا طبقہ ان میں انبیاء کرام کا ہے الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ پس صرف وہی عمل مقبول ہو سکتا ہے جو حق و صواب پر ہو اور وہ نہیں ہے مگر انبیاء کرام کا اسوہ۔ جو عمل اس اسوہ سے متناسی، طریقۂ نبوت سے متحقق اور منہاجِ نبوت کے قدم بقدم ہوگا، وہ کبھی مقبول و مشکور نہیں ہو سکتا۔

حضرات! یہی دو شرطیں ہیں جن کی تکمیل پر ہمارے تمام اعمال کی کامیابی بھی موقوف ہے۔ کتنا ہی اخلاصِ نیت ہو، لیکن عمل کی کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ اسی طرح خواہ کتنا ہی بہتر طریقِ صواب اختیار کیا جائے، لیکن اگر اخلاصِ نیت کی روح سے عمل خالی ہوگا تو کبھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ اسی بنا پر صحابہ و سلف سے آیۂ کریمہ لیبلوکم ایکم احسن عملا کی تفسیر میں منقول ہے (ذکرہ ابن عساکر وابن کثیر والسیوطی وغیرہم) اسی خلاصہ و اصول پر ہی اس کی تشریح کی۔

اذا كان العمل خالصاً ولم يكن صواباً لم يقبل واذا كان صواباً ولم يكن خالصاً لم يقبل
حتى يكون خالصاً صواباً والخالص ان يكون لله والصواب ان يكون على السنة

لیکن سنت سے یہاں مُراد صرف عبادات و طاعات ہی کی سنن نہیں ہے بلکہ اعمالِ نبوت کے تمام سنن و وظائف مقصود ہیں جن کی راہیں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کھول دیتا ہے اور وہ ان کے ذریعہ معالجۂ نفوس و تزکیۂ قلوب و تشکیل جماعت و قیامِ امتِ صالحہ کا عملِ عظیم انجام دیتے ہیں۔ یہ بات کہ انسان کی بھیڑوں کو ایک منظم و مقوم امتِ صالحہ و عاملہ کی شکل میں بدل دینا۔ اور بکھرے ہوئے اجزا کو ایک متحدہ و مؤتلف جسم میں قومیت ڈھال لینا، اور تمام امراضِ اجتماعیہ اور علل المعنویہ کی تداوی طبابت سے عہدہ برآ ہونا ایک خالص عملِ نبوت ہے اور انبیاء کرام کے بعد صرف وہی وارثانِ نبوت اس عمل کو انجام دے سکتے ہیں جو اسوۂ حسنۂ نبوت سے متاسی ہوں جن پر اللہ تعالیٰ نے حکمتِ نبوت کے اسرار و غوامض کا دروازہ وراثت دنیا بند کھول دیا ہو۔ شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے یہاں صرف اشارہ مقصود ہے اور ان مطالب کو اپنے بعض تالیفات میں مشرح لکھ چکا ہوں۔

حضراتِ علماء کرام و ارکانِ جمعیۃ! اس وقت بہت بڑی آزمائش ہمارے طریقِ عمل کے لئے درپیش ہے۔ ہم نے مدتوں کی غفلت کے بعد قومی و اجتماعی اعمال کی کشمکش و کشاکش میں قدم رکھا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہماری نظر آج کل کے مجلسی و اجتماعی کاموں کے طرق و اسلوب پر پڑتی ہے۔ اور تقلید و محاکات کا جذبہ ہمیں بے اختیار ان کی جانب کھینچنے لگتا ہے۔ لیکن میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ آپ کی راہ ان راہوں سے بالکل الگ ہے۔ اور کتاب اللہ کی ہدایت اور حکمتِ نبوت کی سنت نے آپ کو دنیا و دنیا والوں کے تمام گھڑے ہوئے طریقوں اور قاعدوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ آپ اس لئے نہیں ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں۔ بلکہ آپ کو علم و عملِ شریعت اس لئے دیا گیا ہے تاکہ دنیا کی آنکھیں آپ کی طرف امید و طلب سے اٹھیں۔ اور آپ کی ہدایت ان کے لئے

کی وسیع آبادیاں اگرچہ آلِ فرعون کے لئے عیش کدہ حکومت و آزادی کا حکم رکھتی ہیں مگر اسیرانِ بنی اسرائیل کے لئے سرتاسر زندانِ استبداد ہیں۔ وہ آپ نے کنعانِ ملت کے عزیزِ گم گشتہ ہیں۔ اگر آپ ڈھونڈتے ہیں تو اُسی یوسف کدۂ عزت و اقبال میں ڈھونڈیئے۔ جہاں اگرچہ السجن احب الی مما یدعوننی کے زنجیر و طوق ہیں وہ گرفتار ہیں مگر فی الحقیقت انک الیوم لدینا مکین امین اور کذلک مکنا لیوسف فی الارض کا تاج و تخت فتح و مراد بھی اسی زنجیر و طوق سے ڈھالا جا رہا ہے۔ قد من اللہ علینا انہ من یتق و یصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین؛

حضرات! قرآنِ حکیم نے ہمارے سامنے حضرت یوسف علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ لقد کان فی یوسف و اخوتہ آیات للسائلین۔ حضرت یوسف مصر کے بازاروں میں غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ پھر ان کے سامنے دو راہیں کھلیں۔ ایک میں اللہ کی معصیت تھی اور ایک میں انسان کا ظلم۔ انہوں نے قید خانے کی مصیبت گوارا کر لی مگر معصیت کی عیش و آزادی گوارا نہ کی۔ ان کو حق کی فتح اور ظلم کے خسران پر اس قدر یقین و ایمان تھا کہ خوشی خوشی قید خانے چلے گئے اور ان کی روح ہمیشہ اس یقین سے معمور رہی ہے کہ اگر وہ حق پر ہیں تو بالآخر کامیابی و فتح مندی اُن ہی کے حصے میں آئیگی۔ اُن کے استغراقِ ایمانی اور ادائے فرضِ دعوتِ حق کا یہ حال تھا کہ قید خانے میں بھی زبان کھلی تو اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ حق و ہدایت کی تبلیغ و دعوت ہی کے لئے کھلی یا صاحبی السجن، ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ بالآخر جب فیصلۂ حق و باطل کا وقت آ گیا تو نصرتِ الٰہی ظاہر ہوئی اور جو زنجیریں قید خانۂ مصر میں پہنائی گئی تھیں وہی بالآخر مصر کا تاج و تخت بن کر نمودار ہوئیں۔ رب قد آتیتنی من الملک و علمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین۔ اس اسوۂ یوسفی کے بصائر و عبر بے شمار ہیں مگر زیادہ نمایاں حیثیت جو ہمارے سامنے آتی

ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص تاجِ مصر سر پر رکھنے کا طلبگار ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے زندانِ مصر کے طوق و زنجیر کو اپنے دست و گردن کا زیور بنائے۔ ہم تختِ مصر کا جاہ و جلال دیکھ کر للچانے لگتے ہیں مگر زندانِ مصر کی قید و محن فراموش کر دیتے ہیں۔ حالانکہ طلبگارانِ تاجِ آزادی کے لئے پہلی منزل زندان و قید ہی کی ہے

اے کہ از دیدارِ یوسف غافلی — وارغ یعقوب و زلیخا را نگر

بلاشبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چشمِ پرشوق ایک مدت کے ہجر و فراق کے بعد جمالِ یوسفی سے روشن ہوئی۔ انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون مگر معلوم ہے کہ فتح و مراد کی یہ روشنی اسی سفیدیٔ چشم سے چمکتی تھی جو ایک مدتِ مدید کے صبر و طلب سے دیدۂ یعقوبی میں پھیل چکی تھی وقال یا اسفیٰ علیٰ یوسف وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم۔ پس اس راہ میں پہلی آزمائش صبرِ کامل اور طلبِ صادق ہی کی ہے۔ جب تک طلبِ یعقوبی حاصل نہ ہو طلعتِ یوسفی نظر افروز نہیں ہو سکتا۔

یا من شکی شوقہ من طول فرقتہ — اصبر لعلک تلقی من تحب غدا

مولانا روم کے اشارات اس مقام پر کیا لطیف و بدیع ہیں:-

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش — روز و شب در گریہ و آشوب باش

پیشِ یوسف نازش و خوبی مکن — جز نیاز و آہِ یعقوبی مکن

سورۂ یوسف نے یہ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ اگر ایک غلامِ زندانی اپنے حسنِ عمل و استقامت سے ملک کے تاج و تخت کا مالک ہو جا سکتا ہے تو کیا ایک پوری قوم ایمان و عمل کے غیر مسخر اسلحہ سے مسلح ہو کر اپنی کھوئی ہوئی حکومت واپس نہیں لے سکتی؟ ولقد احسن القائل۔

ہزار رخنہ بدام و مرا ز سادہ دلی — تمام عمر در اندیشۂ رہائی یافت

حضرات! الحمد للہ کہ اسوۂ یوسفی کے اتباع و تأسی کا باب سعادتِ ملک و ملت پر کھل چکا ہے اور زندانِ ہند میں اب روز بروز آزادگانِ حق کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ابھی ابھی

[illegible]

[illegible]

جھک سکا اب اور تو کسی ہستی کے آگے نہیں جھک سکتا فقالوا ربنا رب السموات والارض
لن ندعوا من دونہ الٰہا لقد قلنا اذا شططا۔ لیکن یہ حق پرستی ان کے حکمرانِ ملک کے قانون
میں سب سے بڑا انسانی جرم ٹھہری اور جب کہ ان کی آبادیوں میں ظلم کے لئے عیش و آزادی
تھی، کفر کے لئے عافیت تھی، گمراہی کے لئے امن تھا۔ تو ان عشاقِ حق کے لئے صرف
جنگلوں کی وحشت اور پہاڑوں کے غاروں ہی میں امن و نجات کا گوشہ باقی رہ گیا تھا۔ بالآخر
وہ آبادی سے نکل کر ایک پہاڑ کے غار میں پوشیدہ ہو گئے اور انسانی آبادی کا دروازہ
جن مظلوموں پر بند ہو گیا تھا ان کے لئے خدا کے پہاڑ نے اپنا آغوش کھول دیا۔ فاووا الی
الکھف ینشر لکم ربکم من رحمتہ ویھیئ لکم من امرکم مرفقا۔

حضرات! عہدِ قدیم کی یہ ایک داستانِ عبرت ہے جو کلامِ الٰہی نے ہمیں سنائی ہے
اور اس بارے میں قرآنِ حکیم کا اسلوبِ بیان آپ کو معلوم ہے کہ وہ بحکم فیہ نبأ ما قبلکم وخبر
ما بعدکم وحکم ما بینکم (رواہ الترمذی عن علی و صححہ وابو نعیم فی الحلیۃ عن عدۃ طرق) ہمیشہ ماضی
کو مستقبل کے لئے اور رفتہ کو آیندہ کے لئے بیان کرتا ہے اور اعمالِ انسانی کے یکساں و یک
رنگ حوادث و ایام کو بطور تاریخی استقرا کے مرتب کر کے دائمی نتائج و عواقب کی طرف
توجہ دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلسل یا متفرق قصص و ایامِ ماضیہ کا ذکر
کیا ہے صاف صاف واضح کر دیا ہے کہ مقصد محض تاریخ اور نقل و حکایت نہیں ہے بلکہ
حقیقت ہے جس کے الگ کر دینے کے بعد تاریخ افسانہ بن کر رہ جاتی ہے اور اس کے
وجود میں دنیا کے لئے کوئی سود اور فائدہ باقی نہیں رہتا یعنی موعظت و تذکیر، اعتبار و استبصار
واقعات و حوادث کے تسلسل و یک رنگی سے قوانینِ عالم کا ادراک و انکشاف اور ماضی
سے آیندہ کا استنباط۔ چنانچہ سورۂ ہود میں جس کا محورِ بیان یہی حقیقت ہے فرمایا وکلا نقص
علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک وجاءک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکری
للمؤمنین اور عہدِ نوح سے لے کر عہدِ موسیٰ تک کے ایام کا ذکر کر کے نتیجہ نکالا وکذلک
اخذ ربک اذا اخذ القری وھی ظالمۃ۔ ان اخذہ الیم شدید۔ ان فی ذلک لآیۃ لمن خاف

عذاب الآخرۃ ... سورہ یوسف کے آخر میں فرمایا وکاین من آیۃ فی السماوات والارض
یمرون علیہا وہم عنہا معرضون یعنی کائنات ہستی کی آیتوں میں سے ایک آیت تو ملکوت السماوات
کی ہے جس کا تفکر ما خلقت ہذا باطلا اور انی وجہت وجہی للذی فطر السماوات والارض
حنیفا۔ کا باب عرفان وحقیقت کھولتا ہے اور دوسری قسم آیات انفسیہ کی ہے اور آیات
انفسیہ میں سب سے زیادہ نمایاں آیت حوادث وایام کی ہے جو ہمیشہ قوموں اور ملکوں پر گذر چکے
ہیں اور اب یا تو صرف ان کی داستانیں زبانوں پر باقی رہ گئی ہیں۔ جعلناہم احادیث
یا اطلال وآثار ہیں۔ بہت سے مٹ چکے اور بہت سے ٹوٹی ہوئی دیواروں اور ویران
کھنڈروں کی شکل میں عبرت سرائی کے لئے باقی ہیں منہا قائم وحصید پس اس آیت میں
حوادث وایام امم کو بھی زمین کی آیتوں اور نشانیوں سے تعبیر کیا گیا اور اسی طرح سورۂ
یونس، اعراف، شعراء وغیرہا میں بیان واقعات کے بعد فرمایا۔ فانظر کیف کان عاقبۃ
المنذرین فانظروا کیف کان عاقبۃ المجرمین ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرہم مومنین۔
سورۂ نور میں بالکل واضح کر دیا ولقد انزلنا الیکم آیات بینات ومثلا من الذین خلوا من
قبلکم اور عام طور پر بھی ہر جگہ ایام گذشتہ سے نتائج وعبر اخذ کئے ہیں۔ اور انسان کی غفلت
اعراض پر افسوس کیا ہے کہ وہ آنکھ رکھ کر بھی نہیں دیکھتا اور کان رکھ کر بھی نہیں سنتا۔
فکاین من قریۃ اہلکناہا وہی ظالمۃ فہی خاویۃ علی عروشہا وبئر معطلۃ وقصر مشید۔ افلم
یسیروا فی الارض فتکون لہم قلوب یعقلون بہا او آذان یسمعون بہا فانہا لا تعمی الا
بصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

غرض قرآن حکیم کا مقصد قصص واخبار سے موعظت وتذکیر ہے۔ آجکل فلسفۂ تاریخ
کے بعض جدید مذاہب نے تاریخ اقوام سے قوانین اجتماع اور طبیعت اقوام کے اصول
اخذ کئے ہیں لیکن قرآن حکیم نے موعظت وتذکیر کے ایک لفظ میں بے شمار حقائق ومعارف
کے ساتھ اس حقیقت کو بھی آشکارا کر دیا ہے۔ قرآن کریم کا استدلال اس بارے میں یہ ہے
کہ جس طرح عالم انسانی مادی کے لئے ایک قانون طبیعت ہے اور اشیاء کے خواص وآثار

ہیں جو کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ پانی ڈوباتا ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ ہر کی پیوست
حرکت کا باعث ہوتی ہے۔ صالح غذا سے جسم نشوونما پاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عالم
معنویات کے لئے بھی ایک قانون طبیعت ہے اور اشیاء کی طرح عقائد و اعمال کے بھی
خواص و نتائج ہیں جو کبھی ان سے الگ نہیں ہو سکتے باطل کے لئے ہمیشہ مٹنا ہے اور حق
کے لئے ہمیشہ قائم رہنا ہے اصلاح کا نتیجہ ہمیشہ زندگی ہے ظلم و جور ضرور ہے کہ جب کبھی ہو
بالآخر شکست کھائے اور عدل و صداقت کے لئے ضروری ہے کہ جب کبھی ہو فتح پائے۔
قرآن حکیم نے اسی قانون معنوی کو جا بجا سنۃ اللہ اور فطرۃ اللہ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے
کیونکہ فی الحقیقت یہی ناموس خلقت ہے۔ آئین طبیعت ہے۔ آگ کی حرارت اور پانی کی
برودت سے بھی زیادہ محکم و غیر متبدل ہے۔ اور صرف عالم حیوانات ہی میں نہیں بلکہ کارخانہ ہستی
کے ایک ایک وجود اور ایک ایک ذرہ تک میں جاری و ساری ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ دنیا
میں ہمیشہ اسی قانون کے ماتحت قوموں کو زندگی ملی ہے۔ اور اسی کے ماتحت وہ ہلاک ہوئی
ہیں اور چونکہ قانون دائمی ہے۔ اعمال یکساں ہیں طبیعت غیر متبدل ہے خواص لاینفک
ہیں اور نتائج و ثمرات ناگزیر ہیں۔ اس لئے آئندہ بھی ہمیشہ وہی ہو گا جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور
وقت کا امتداد و تغیر اللہ کے قانون مکافات و مجازاۃ عمل کو متغیر نہیں کر دیگا۔ زہر کھانے
سے اگر ایک ہزار برس پہلے آدمی مر جاتا تھا تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب زہر کھانے سے زندگی
ملے اور اگر آگ پانچ ہزار برس پہلے جلاتی تھی تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب اس کے شعلوں میں
انگلی ڈالو اور ٹھنڈک اور راحت ملے سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا

چنانچہ اسی بنا پر جا بجا گزشتہ حوادث و انقلابات کے نتائج کو سنۃ الاولین کے
لفظ سے تعبیر کیا اور آخرین کے لئے اس کو بطور دلیل و برہان استعمال کیا۔ انفال میں کہا:
وان یعودوا فقد مضت سنۃ الاولین اور فاطر میں کہا فہل ینظرون الا سنۃ الاولین
فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا اور سورہ نساء میں فرمایا سنن
الذین من قبلکم!

پس سنۃ اللہ سے مقصود یہ قانون نتائج حق و باطل اور آئین فلاح و خسرانِ امم ہے نہ کہ مادی و جسمانی خواص کا قانون جیسا کہ معتزلۂ قدیم و متقلدین یونانیات و فلاسفہ اور ان کے خوشہ چینوں نے سمجھا۔ اور جیسا کہ موجودہ عہد کے معتزلۂ جدید اور مفتونین فتنۂ علوم جدیدہ نے استدلال کیا ہے۔ ایسا استدلال قطعاً تحریفِ معنوی ہے اور نظم قرآن کو بالکل درہم برہم کر دیتا ہے۔

حضرات! آپ حضرات کی نظرِ علم و بصیرت سے یہ حقیقت بھی مستور نہ ہوگی کہ قرآن حکیم نے اس ضمن میں جماعتِ انسانی کے وحدتِ اعمال، وحدتِ خواص اور وحدتِ نتائج کو ایک عجیب معجزانہ استدلال فطری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ التباس کی فقہ و معرفت کا دروازہ صرف انہی قلوب صافیہ پر کھل سکتا ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انوار کتاب و سنت کے اکتساب و استنارہ کے لئے مجلی و مزکی کر دیا ہو اور جنہوں نے ظلماتِ قیل و قال، و آراء رجال، و صناعات مخترعۂ جدل و خلاف، و سبل متفرقۂ یونانیہ و کلامیہ کے طلسمات ظنون، اور کارخانہ جات اہواء سے نکل کر فضاء بے کنار حکمت قرآن و سنت کی سیر کی ہو۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

بہر حال قرآن حکیم نے حیات امم کے قانون الٰہی کا اعلان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابتدائے خلقت سے جس طرح حق و عدالت کا ظہور یکساں رہا ہے۔ اسی طرح بطلان و فساد کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے جس طرح حق کی صدائیں ہمیشہ ایک ہی طرح اٹھتی رہیں اسی طرح ظلم و عدوان کے دعوے بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں جس طرح حق ہدایت کی شکل و صورت اور خصائص و اوصاف ہر عہد میں ایک ہی طرح کے رہے اسی طرح بطلان و فساد کا رنگ روپ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا۔ چنانچہ وہ جا بجا کہتا ہے بل قالوا مثل ما قال الاولون۔ پھر اس استقراء کے بعد وہ اس قدرتی یقین و اذعان کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جس طرح حق و باطل کی یہ دو زنجیریں متقابل و متوازی ابتداء سے چلی آتی ہیں ضرور ہے کہ آئندہ بھی جاری رہیں تا آنکہ حق کی آخری فتحمندی کا وقت آ جائے اور

بطلان و فساد کی تمام سرکش قوتیں مٹ جاتی تھیں لیظہرہ علی الدین کلہ یہ ماضی ہیں جو کچھ ہو چکا ہے مستقبل میں بھی ہوگا اور ماضی میں جو نتائج نکلے ہیں ضرور ہے کہ مستقبل میں بھی نکلیں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوگا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، ظلم و مظلومی کا معرکہ آویزش و کشاکش گرم ہوگا۔ حق کا یہ خاصہ طبیعت ہے کہ اس کی غربت و بیچارگی جتنی ہوگی۔ اسی قدر وہ فتح و فوز سے قریب ہوتا جائیگا اور باطل کا خاصہ طبیعت ہے کہ اس کی قوت ظلم اور استعداد فساد جس قدر بڑھتی جائیگی۔ اتنا ہی وہ ہلاکت و خسران کے لئے زیادہ طیار ہوتا جائیگا۔ حق کی مظلومی میں بالطبع داعیہ فتح ہے اور ظلم کی سرکشی میں بالطبع داعیہ خسران کچھ عرصہ تک کشمکش جاری رہے گی اور فساد و تکمیل مادہ خسران کے لئے ایک خاص زمانے تک مہلت دی جائیگی۔ اس مہلت کو قرآن حکیم نے جا بجا تمتع الی حین اور تربص و انتظار و اجل سے تعبیر کیا ہے اور اس خاص وقت کو جو قانون الٰہی کے ماتحت ظہور نتائج کے لئے مقرر ہوتا ہے اجل مقدر اور اجل مسمی کہا ہے ویستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب اور سورۂ یونس میں فرمایا ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین؟ قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء اللہ لکل امۃ اجل اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون پس جب وہ وقت آجائیگا اور مادہ فساد تکمیل تک پہنچ کر انفجار کے لئے طیار ہو جائیگا۔ تو پھر حق و باطل کا آخری فیصلہ ظہور میں آئیگا۔ حق کی مظلومی و درماندگی فتح پائیگی۔ باطل کی مغرور طاقت و سطوت کچھ کام نہ دیگی۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اس آخری فیصلہ کا نام قضاء بالحق ہے اور اب لوگوں نے اسے انتخاب اصلح اور بقائے امثل کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا ہے۔ فاذا جاء امر اللہ قضی بالحق وخسر ھنالک المبطلون

حضرات اصحاب کہف کو اگر اپنے عہد کے ضلالت و طغیان سے درماندہ و لاچار ہو کر پہاڑ کی غاروں میں پناہ لینی پڑے تو گو وہ عہد جا چکا ہے لیکن اس عہد کی ضلالت و طغیان دنیا سے رخصت نہیں ہوتی ہے۔ آج بھی عشاق حق کے عزم و ثبات کے لئے ایک

ویسی ہی آزمائش درپیش ہے۔ آج بھی ظلم کی حکومت ہے، بطلان و فساد کی حکمرانی ہے، جور و
طغیان کا دور دورہ ہے اور اصحاب کہف کی بستی کی طرح صرف ایک ہی قطعۂ ارضی نہیں بلکہ
تمام کرۂ ارضی کی خشکی و تری حق و عدالت سے محروم ہو چکی ہے اور خدا کی زمین پر اس کے
مظلوم و درماندہ بندوں کے لئے کوئی گوشۂ امن و عافیت باقی نہیں رہا ہے ظہر الفساد
فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس گویا زمین کی تمام پچھلی نامرادیاں لوٹ آئی ہیں اور
تاریخ عالم کی ساری گزری ہوئی شقاوتیں ایک ایک کرکے پلٹ رہی ہیں۔ سرزمین اصحاب کہف
کا جبر و طغیان، فراعنۂ مصر کا ظلم و استبداد، نمارودۂ کلدان کا غرور و تمرد۔ اصحاب مدین کا انکار
اعراض، قوم عاد کا فسق و عدوان، یہ سب کچھ بیک ظرف و زمان جمع ہو گیا ہے۔ مصر و ایران
بابل و نینوا، یونان و روما اگرچہ اپنے اپنے وقتوں میں اللہ کی صداقت و عدالت کے مقابلہ
کے لئے اٹھے تھے لیکن اب ان کی سب کی جگہ اور ان سب سے بڑھ کر یورپ کی مدنیت طغیٰ
ہے جو پانچ سال تک آگ اور خون کے سیلابوں میں غرق رہ کر بھی بدستور من اشد منا قوۃ
کا دعوے کر رہی ہے۔ اصحاب کہف کی جماعت چند انفاس پر مشتمل تھی۔ اس لئے پہاڑ کی
غاریں انہیں پناہ مل گئی لیکن آج اصحاب کہف کی سی مظلومی میں چند افراد ہی نہیں بلکہ
آبادیوں کی آبادیاں اور اقلیموں کی اقلیمیں تباہ ہو گئی ہیں اور لاکھوں کروڑوں بندگان حق
پر ان کی بستیوں اور شہروں میں امن و آزادی کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس لئے تو صحراؤں
کے اس قدر گوشے ہیں جہاں انہیں پناہ مل سکے اور نہ پہاڑوں کی اس قدر غاریں ہیں جو انہیں
اپنی آغوش میں لے سکیں۔

حضرات! آئیے! قبل اس کے کہ ہم اس صف ماتم میں بیٹھیں، ذرا اپنی ان بربادیوں
پر بھی ایک نظر ڈالیں جن کے ماتم و فغاں سنجی کے لئے آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ تمام کرۂ ارضی
کے مشارق و مغارب پر نظر ڈالئے اور ڈھونڈئیے کہ پرستاران حق و اسلام کے لئے کوئی ایک
گوشۂ امن بھی آج باقی رہا ہے؟ سانپوں کے لئے بھٹ ہیں اور درندوں کے لئے غاریں
جہاں امن و بے فکری سے وہ اپنی رات بسر کر سکتے ہیں۔ مگر آہ! پیروان اسلام کے لئے

آج تمام کرۂ ارضی میں چار بالشت زمین بھی امن و عافیت کی باقی نہیں رہی۔ گویا اسلام کی پوری تیرہ صدیوں کی تاریخ اب ایک محض افسانۂ ماضی اور حکایت رفتہ ہے اوراق و دفاتر میں پڑھی جا سکتی ہے۔ مگر بلاد و اقالیم میں دیکھی نہیں جا سکتی۔

كأن لم يكن بين الحجون إلى الصفا أنيس ولم يسمر بمكة سامر

حضرات! معلوم نہیں کہ آپ کے کانوں کا کیا حال ہے مگر میں اپنا ماو سامعہ کو کیا کروں جب سے ہر لمحہ ہر آن واشوقیتاہ وادینیاہ کی جگر دوز صدائیں ٹکرا رہی ہیں اور میری مجروح آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ کفر و ظلم کے غلبہ و قہر سے ارض الٰہی کا ایک ایک چپہ چیخ رہا ہے پرستاران حق کی غربت و بے کسی پر ہر طرف سر پیٹ پیٹ کر ماتم ہو رہی ہے اور فضا کائنات کا ایک ایک ذرہ قائم حق کو ڈھونڈھ رہا ہے اور حامیان حق کو پکار رہا ہے۔

يا ناعي الإسلام قم فانعه قد زال عرف وبدا منكر

شیخ سعدی نے قتل بغداد و مرثیہ لکھا اور ابو البقاء نے تباہی اندلس پر ماتم کیا۔ وقت آگیا کہ کوئی ابو البقاء اندلس و بغداد کا نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کا مرثیہ لکھے۔

اصابها العين في الإسلام فارتزأت حتى خلت منه أقطار وبلدان
تبكي الحنيفية البيضاء من أسف كما بكى لفراق الإلف هيمان
على ديار من الإسلام خالية قد أقفرت ولها بالكفر عمران
حيث المساجد قد صارت كنائس ما فيهن إلا نواقيس وصلبان
حتى المحاريب تبكي وهي جامدة حتى المنابر ترثي وهي عيدان
يا غافلا وله في الدهر موعظة إن كنت في سنة فالدهر يقظان
أعندكم نبأ من أهل أندلس فقد سرى بحديث القوم ركبان
كم يستغيث بنا المستضعفون وهم قتلى وأسرى فما يهتز إنسان
ألا نفوس أبيات لها همم أما على الخير أنصار وأعوان
ماذا التقاطع في الإسلام بينكم وأنتم يا عباد الله إخوان
لمثل هذا يذوب القلب من كمد
إن كان في القلب إسلام وإيمان

حضرات! یہ دعا اصحاب کہف نے اس وقت مانگی تھی جب ان کی آبادی کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ الی ان قال من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن
حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط المستقیم پس جب مسلمانوں نے قرآن و سنت
کا علم و عمل ترک کر دیا۔ تو اقبال و عروج نے بھی ان سے کنارہ کشی کر لی یہ مسلم اور حقائق تاریخیہ
میں ثابت ہے کہ مسلمانوں کے عروج و زوال کا سب سے بہتر و ارفع زمانہ وہی تھا جب بجز
کتاب و سنت کے علم و عمل کے اور کوئی تعلیم ان کی رہنما نہ تھی یعنی عہد صحابہ کرام و خلفاء
راشدین اولئک اصحاب محمد ابرھذہ الامۃ قلوباً واعمقھا علماً واقلھا تکلفاً قوم
اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ واقامۃ دینہ فاعرفوا لھم حقھم وتمسکوا بھدیھم فانھم
کانوا علی الھدی المستقیم (قالہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ) اور تنزل و فساد کا عہد اسی
وقت سے شروع ہوا جبکہ اقوام مافیہ مغضوبہ کے علوم و اعمال بشکل علوم دخیلہ و اعمال
بدعیہ ان میں رائج ہوتے۔ ایک ہی علت کے دو مختلف نتائج نہیں نکل سکتے۔ پس اگر اب بھی
مسلمان اپنے عروج رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں تو اس کی صرف ایک ہی راہ ہے اس
کے علاوہ اور جس قدر راہیں بھی کھلی ہونگی گمراہی و فساد کی ہونگی یعنی علم و عمل شریعت کا احیاء
اور ترک و ہجر شریعت کا انسداد۔

۳۔ اس مسلک کی بنیاد اس ایمانی اور اعتقادی حقیقت پر بھی تھی کہ شریعت اسلامیہ
آخری و اکمل شریعت ہے اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور اس کا وعدہ ہے
لیظھرہ علی الدین کلہ یقیناً اس وعدہ کا ابھی ظہور نہیں ہوا پس ضرور ہے کہ وعدۂ الٰہی
ظاہر ہو۔ اور اس لئے مستقبل کے لئے اگر کوئی راہ فوز و فتح ہو سکتی ہے تو وہ صرف دعوت
شریعت اور احیاء عمل بالقرآن ہی ہے۔

ہم مسلمانوں سے استمرار و اتباع شریعت مہجور نہیں ہوا مگر علماء اسلام کی غفلت و
اعراض سے شریعت کے علم و عمل کے وہی حامل و مبلغ تھے اور امت کی حیات شرعیہ کا
تمام مدار و مدار ان کی حیات علمی و عملی پر تھا جب کتاب و سنت کا درس و تدبر متروک و نشدنت
وحدت اور سبل متفرقہ کا شیوع اختلاف و تحزب کی عصبیت علوم محدثہ کا استغراق سبب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

علماء کے اجتماع و نہضت کے لئے کی تھیں، شیخ محمد عبدہ نے اپنے تمام آخری ایام حیات
علماء ازہر کے انتباہ و بیداری میں صرف کر دیئے۔ شیخ محمد جزائری نے علمائے جامعہ زیتونیہ
تیونس کی ایک جمعیتہ اصلاح قائم کرنے کے لئے مدت العمر آہ و فغاں کیا۔ شیخ عبدالرحمٰن کو
اکبی نے مجمع جمعیتہ ام القریٰ مکہ کر علمائے اسلام کی ایک بین الملی جمعیتہ کی تحریک کی
ہندوستان میں پہلے ندوۃ العلماء اور پھر جمعیتہ الانصار دیوبند قائم ہوئی لیکن افسوس ہے کہ
اس وقت تک کوئی سعی و تدبیر بھی سود مند و کامیاب نہ ہوئی۔ اس ناکامیابی کے بھی واضح
بین اسباب ہیں لیکن میں بخیال اختصار ان کی تشریح نہیں کروں گا۔ بعض مساعی کے لئے
استبداد حکومت مانع ہوا۔ بعض مساعی باہم دگر اختلافات و نزاعات کی وجہ سے ناکام ہیں
بعض تدابیر میں علماء سوء و عادۃ فتن کی مقاومت نے خلل ڈالا۔ اندا کثر کا یہ حال رہا کہ خود نفس
دعوت و تدبیر کے اندرونی نقائص کامیابی میں حائل ہوگئے۔ از انجملہ سب سے بڑا نقص
ان تمام دعوتوں میں یہ ہے کہ اگرچہ اصلاً اصلاح دینی کی قسم میں داخل تھیں لیکن بمصداق خلطوا
عملاً صالحاً و آخر سیئاً جو طریق عمل اختیار کیا گیا تھا۔ وہ ٹھیک ٹھیک نہج قویم و مستقیم پر نہ
تھا یعنی منہاج و اسوۂ نبوت کے علوم و اعمال کیلئے ان میں غلبہ و احاطہ حاصل نہ تھا اور کتاب و
سنت کی دعوت خالص و بے آمیزش کی جگہ موجودہ عہد کے طرق محدثہ نے ان میں راہ پالی
تھی اور ازانجملہ ایک بڑا سبب ان کی ناکامی کا یہ بھی ہوا کہ اصول کی جگہ فروع کا استغراق
داعیوں پر چھا گیا۔ اور حقیقت ان پر منکشف نہ ہوئی کہ راہ کی بدایت و نہایت کا تعین کیونکر
کرنا چاہئے۔ پس ایسا ہوا کہ جو طاقت اصل پر خرچ کرنی تھی وہ بعض شاخوں پر صرف ہوگئی
مثلاً مسئلہ اصلاح نصاب تعلیم وغیرہ اور اس طرح تمام کارخانۂ دعوت درہم برہم ہوگیا معہذا
اس کارخانۂ حیات اور کارگاہ مکافات و مجازات کا کوئی عمل بھی بالکل ضائع نہیں جاتا جس
کی بنیاد اعتقاد صحیح پر ہو۔ یہ کوششیں اگرچہ خود راہ نہ پا سکیں لیکن انہوں نے آنے والے
عہد کے لئے بہت کچھ راہ صاف کر دی اور کم از کم ان میں سے ہر سعی کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ دعوت
اصلاح دینی اور حرکت و نہضۂ علماء ملت کے لئے وقت کی استعداد روز بروز بڑھتی گئی۔

دعوتِ الہلال:

حضرات! مجھے امید ہے کہ آپ مجھے خود ستائی اور خود فروشی کا الزام نہ دیجئے گا اگر میں بطور تحدیثِ نعمت اس موقعہ پر دعوت الہلال کا بھی ذکر کروں۔ عالمِ اسلامی کے ماضی قریب میں اصلاحِ دینی اور انتباہ و انبعاثِ علماءِ ملت اور احیاء و تجدیدِ امت کی جو دعوت ان تمام پچھلی دعوتوں کے طریقوں اور اسلوبوں سے بالکل مختلف اسلوب پر بلند ہوئی ہے وہ دعوت الہلال ہے۔

آج آپ کی یہ مقدس و مبارک جمعیۃ العلماء جس مقصد کی جستجو میں منعقد ہوئی ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ وہی یوسفِ مقصود ہے جس کے فراق میں میں ۱۹۱۱ء سے متصل "وا اسفا علی یوسف" کی فغاں سنجی کر رہا ہوں اور جس کے لئے میں نے الہلال کے رقم کے صفحوں کو کبھی اپنے چشمِ خونیں کے آنسوؤں سے رنگا ہے اور کبھی اس کے سواد و حروف کے اندر اپنے دل و جگر کے ٹکڑے بچھا دیتے ہیں۔ ۱۹۱۱ء سے لے کر آج تک یہ مقصد میرے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مطلوب اور میری روح کی عشق و شیفتگی کا محبوب رہا ہے۔ خدا کی کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی جب اس مقصد کی طلب نے میرا دل خالی ہوا ہو اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں گزری جب میں نے اس کی تمنا میں اپنے بسترِ غم و اندوہ پر بیقراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں۔ میں نے اپنی آزادی کی تمام فرصت اسی کے عشق میں بسر کی اور نظر بندی و قید کے چار سال بھی اسی کے فراق میں کاٹے ہیں۔

یذکرنی طلوع الشمس صخرا   واذکرہ بکل غروب شمس

پس اے بزرگانِ ملت! اگر آج علماءِ امت کی یہ نہضتِ مبارکہ جمعیۃ العلماء کی شکل میں طالع و نظر افروز ہوئی ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ یہ میرے دو سالہ سوال کا جواب ہے۔ میری تمناؤں اور آرزوؤں کا ظہور ہے میری فریادوں اور التجاؤں کی قبولیت ہے میرے لئے ما تشتھیہ الانفس و تلذ الاعین ہے اور یقیناً میری امیدوں کے قدیم خواب کی تعبیر ہے۔ ھذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلھا ربی حقا۔

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں — مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

جمعیۃ العلماء کا قاعدۂ اساسی :

حضرات! جمعیۃ العلماء کا قیام در اصل اسی آخری مذہب اصلاح و احیاء کا ظہور ہے اور اس کی تاسیس حضرت امام مالک کے اس اعتقادی قاعدہ پر مبنی ہے کہ لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولہا اس امت کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس سے ابتدائی عہد کی ہوئی تھی۔ اور یہ قاعدہ ٹھیک ٹھیک حضرت صادق مصدوق کی اس خبر کے مطابق ہے جو مشہور حدیث غربۃ میں دی گئی بدء الاسلام غریبا و سیعود کما بدء (رواہ مسلم) کہ اسلام کے لئے دو عہد غربت ہیں۔ ایک غربۃ اولیٰ اور ایک ثانیہ پس ضرور ہے کہ جو کچھ غربۃ اولیٰ میں ہوا غربۃ ثانیہ میں بھی ہو۔ اور جس چیز نے غربۃ اولیٰ کو فتح و اقبال اول سے بدل دیا، وہی چیز اس غربۃ ثانیہ کو بھی فتح اقبال ثانی سے بدل دے اور وہ نہیں ہے مگر دعوتِ صادقہ و صالحہ کتاب و سنت اور احیاء علم و عمل شریعت عضوا علیہا بالنواجذ اور لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار — بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

چنانچہ اسی حدیث غربۃ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے فطوبیٰ للغرباء وھم الذین یصلحون ما افسد الناس من سنتی (رواہ ترمذی) اصحاب اللہ غرباء۔ دور آخر کی خوش نصیبی اور مصلحین غربۃ ثانیہ کی بلند طالعی! کہ زبان حق ترجمان نبوت ستان کیلئے مبارکی نکلی

گدایان را ازیں معنی خبر نیست — کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

حضرات! یقیناً میں نے یہ عرض کرنے میں آپ تمام مجمع علم و بصیرت کے آراء و معتقدات کی ترجمانی کی ہے کہ جمعیۃ العلماء کے اعمالِ دعوت کے لئے قاعدۂ اساسی یہی مسلک ہے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر وہ موجودہ عہد غربت اسلام میں منصب نیابت و شہادت حق کے فرائض انجام دینے کے لئے مستعد کار ہوتی ہے اور بلا خوف رد کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اصلاح دینی کی بنا پر عالم اسلامی کا یہ سب سے پہلا اجتماع علماء ہے جو اس وسعت و

اتحاد اور جمعیت و قوام کے ساتھ مجتمع ہوا ہے جو کام اس وقت تک تمام بلاد اسلامیہ کی طلب و سعی سے بھی بروئے کار نہ آسکا۔ اور جس کی توفیق موجودہ عہد کی اسلامی حکومتوں کو بھی نہ ملی۔ اور تمام مصلحین عہد اسکی تمنائیں اپنے ساتھ لے گئے آج وہ آپ کی سعی و ہمت سے فعل و وجود تک پہنچ چکا ہے اور عمل و اقدام کی شاہراہ آپ کے آگے باز ہے۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ

وظیفۂ علماء اور شہادۃ اولوا العلم:

حضرات! اس اصل کی تقریر کے بعد ضرورت تھی کہ جماعت علماء کے منصب و وظائف کی بھی پورے شرح و بسط کے ساتھ تفصیل کردی جاتی اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی کہ طلب صلاح اور ادائے فرض کے سلسلے میں آج جو مقصد اصلی و حقیقی ہے جو روز اول سے وحی الٰہی نے جماعت علماء کے لئے قرار دیا ہے۔

اس مقام پر سب سے پہلے زیادہ اہم مشہد علم حق کی شہادت و دعوت کا تھا جہاں پہنچ کر ہم معلوم کرتے کہ حکمت الٰہی نے کائنات ہستی اور نوع انسانی کے قیام و سعادت کے لئے کون سا نظام ہدایت مقرر کیا ہے اور قرآن حکیم کے بیانات اس بارے میں کیا ہیں۔

قرآن حکیم نے بتلایا ہے کہ دنیا کی قوام سعادت کی بنیاد تین حقیقتوں پر ہے جن کو اصطلاح قرآنی میں شہادت سے تعبیر کیا ہے شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم (آل عمران) اس آیۂ کریمہ میں بالترتیب تین شہادتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی شہادت، ملائکہ کی شہادت، اولوا العلم یعنی علم والوں کی شہادت۔

قرآن حکیم جب کبھی لفظ شہادت کو اس سیاق و سباق کے ساتھ استعمال کرتا ہے جیسا کہ یہاں ہے تو شہادت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ کے کلمۂ حق کی اس کی زمین پر گواہی دینا یعنی اس کا اعلان و اظہار کرنا۔ ہدایت الٰہی کی دعوت کو قائم کردینا اور حق و صداقت کی تعلیم و بیان سے دنیا کی غفلت و ضلالت کا استیصال کرنا پس وہ تمام امور جو بیان،

اظہار، اعلان، تعلیم، دعوت اور قیام و قوام دعوت سے تعلق رکھتے ہیں سب کے سب لفظ شہادت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم (ای معلما و داعیا الی الحق) سورہ نساء میں ہے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا، بالاتفاق اس آیت میں شہید سے مراد انبیاء کرام ہیں جو حق کے معلم و ہادی اور اس کی دعوت بلند کرنے والے ہیں اور دعوت حق کا اصلی سرچشمہ انہی کا وجود ہے۔

پس آیۂ آل عمران میں شہادت سے مقصود شہادت وحی و توحید ہے خواہ زبان قال سے ہو خواہ حال سے۔

اللہ کی شہادت سے مقصد صداؤں میں اسکی وحی ہے اور مشاہدہ و احوال میں کائنات ہستی کا نظام و جمال ہے۔ یہ آخری شہادت دنیا کے گوشے گوشے، چپے چپے ذرے ذرے سے ہر آن و ہر لحظہ بلند ہو رہی ہے۔ ہر سامعۂ معرفت سنتا ہے اور ہر چشم عرفان اس کا مشاہدہ کرتی ہے:-

سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق

ملائکہ کی شہادت اس اعتبار سے بھی ہے کہ وہ وحی الٰہی کے غیر و مہبط ہیں اور اس اعتبار سے بھی ہے کہ کارگاہِ ہستی کے تمام تغیرات و شئون کی اصلی علت انہی کے اعمال مدبرہ ہیں۔ اگرچہ ہمارا علم محدود و محجوب نہ کر سکے۔ یہ ملائکہ سماویہ ارضیہ کی شہادت ہے جو تمام تغیرات کونیہ کے اندر سے فاطر السموت والارض کی قدرت و حکمت کا اعلان کر رہی ہے ولکن یعقلھا الا العالمون۔

تیسری شہادت اولوالعلم یعنی علم والوں کی ہے جو شہادت الٰہی کی ابدی و سرمدی نداؤں اور ملک السموات والارض کی غفلت شکن صداؤں سے غافل انسان اپنے کان بند کر لیتا ہے۔ تو پھر ایک تیسری شہادت کی ضرورت ہوتی ہے جو خود انسانوں ہی کے اندر سے اٹھے وہ شہادت الٰہی کی حامل و مبلغ ہو اور شہادت ملائکہ کے ادراک و معرفت کی

[illegible]

آپ حضرت امامنا الاعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیکھئے کہ قید خانۂ بغداد میں اسیر ہیں لیکن اس پر بھی منصور عباسی جیسے قاہر و سفاح بادشاہ کے حکم کے سامنے ان کا سر نہیں جھکتا۔

آپ کو حضرت امام شافعی اس حالت میں نظر آتے ہیں کہ یمن سے بغداد تک زنجیر بسر کی حالت میں بھیجے جا رہے ہیں اور ان کا جرم صرف یہ ہے کہ حق کے داعی ہیں اور صدق و ہدایت پر قائم ہیں۔

آپ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کو دیکھئے کہ تین تین مرتبہ محکر قید خانے میں اسیر کئے گئے اور بالآخر قید خانے ہی میں وفات پائی مگر اظہار حق سے منہ نہ موڑا۔ اور حکومت وقت کے آگے سر اطاعت خم نہ کیا۔

آپ خود اسی ہندوستان میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو دیکھئے کہ قلعہ گوالیار میں قید ہیں مگر جہانگیر کے آگے اُس سر کو جھکانے کے لئے تیار نہیں جس کو اللہ نے صرف اپنے ہی آگے جھکنے کے لئے بنایا ہے۔

آج ہندوستان میں صرف قید و بند ہی کی منزل ہمارے سامنے آئی ہے اس لئے صرف انہی کا ذکر کر رہا ہوں جنہوں نے راہ دعوت حق میں اس منزل کو مردانہ وار طے کیا۔ ورنہ علماء حق اور ادائے فرض نیابت نبوت کا سب سے بڑا مشہد و منظر تو میدان شہادت ہے جہاں انھوں نے صرف اپنی زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے خون شہادت کی سرخی سے حق و صداقت کے نقوش ہمیشہ کے لئے صفحۂ عالم پر ثبت کر دیئے ہیں۔

سدِ باب شہادت اور تنزلِ علم و علماء:

پھر اس کے بعد مجھے بالتفصیل عرض کرنا تھا کہ وہ کیا اسباب و بواعث ہیں جن کی وجہ سے اس شہادت کے قیام و اجراء میں خلل پڑا؟ یعنی مسلمانوں کے تنزل علم و عمل کے مبادی و اساسات کیا کیا ہیں؟ کیونکہ جب تک امراض کی صحیح تشخیص نہ ہوگی علاج صحیح کی راہ نہیں کھل سکتی۔

[illegible]

خرابیاں دور کر دی جائیں کھوئی ہوئی چیزیں واپس لے لی جائیں اور اس کو ویسا ہی بنا دیا جائے جیسا کہ اصل میں وہ تھا۔

تاسیس کے معنی تو یہ ہوئے کہ آپ نے ایک نئی عمارت تعمیر کی۔ تجدید یہ ہوئی کہ مکان پہلے سے موجود ہے۔ صرف شکست و ریخت کی درستگی مطلوب تھی بس اپنے نقائص دور کر کے درست کر دیا۔ ہم کو غور کر لینا چاہئے کہ بنائے ملت کی درستگی کے لئے تعمیرات اساسیہ مطلوب ہیں یا صرف اصلاحات تجدیدیہ؟

اگر تاسیس مطلوب ہے تو بلا شبہ ہمارا پہلا کام یہ ہوگا کہ نئے نئے ڈھنگ اختیار کریں لیکن اگر تجدید کی ضرورت ہے تو ہمیں نئی نئی چیزوں کی ضرورت نہ ہوگی۔ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ پہلے سے جو چیزیں موجود ہیں ان کا کیا حال ہے؟ اور ان میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ کیونکر دور کی جائیں۔

حضرات! دین کامل ہو چکا اور اتمام نعمت کا اعلان کر دیا گیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور مجھے یقین ہے کہ ہم میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہ ہوگا جو یہ کہے کہ اصلاح ملت اسلامیہ کے لئے قرآن و شریعت کی تعلیمات و ہدایات کافی نہیں ہیں اور ہمیں غیروں کی تقلید اور دریوزہ گری کی ضرورت ہے۔ پس یہ اصل تو متفق و مسلم ہے کہ راہ اصلاح میں ضرورت صرف تجدید کی ہے تاسیس کی نہیں ہے۔ خود شارع علیہ السلام نے بھی ہمیں تجدید ہی کی خبر دی نہ کہ تاسیس کی۔ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (رواہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ) لیکن میں عرض کروں گا اگر یہ سچ ہے تو عملاً نتیجہ اس اعتقاد کا یہ ہونا چاہئے کہ ہمارا قدم طلب اصلاح میں تاسیس کی طرف نہ جائے اور وقت کے نظر فریب اسلوب کار بالخصوص یورپ کے مجلسی و اجتماعی طریقے ہمیں نظم شرعی سے دور کر دیں۔ افسوس ہے اس وقت تک تمام داعیان اصلاح کا طرز عمل اس کے مخالف رہا ہے اور یقین کیجئے کہ یہی غلطی ہے کہ اس وقت تک ہماری کوئی سعی اصلاح و ترقی فوز و فلاح نہ پا سکی۔

نہیں پا سکتے بس ہم نئے نئے فنڈ قائم کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے مگر کاش کوئی یہ بھی سوچے کہ خود شریعت نے اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیا ہے۔ اس کا نظم ٹھیک قائم ہے یا نہیں؟ اگر وہ قائم ہو جائے تو پھر بھی کبھی کسی چندہ یا فنڈ کی ضرورت ہو گی؟

ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کی تعلیم عام کے لئے مجامع و محافل کی ضرورت ہے۔ ہم اس کیلئے نئی نئی تدبیریں کرنے لگتے ہیں مگر کبھی یہ حقیقت ہمارے دلوں کو بیقرار نہیں کرتی کہ عین اسی مقصد سے شریعت نے خطبۂ جمعہ کا حکم دیا کیونکہ اس سے برکتوں کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی قومی و اجتماعی کام انجام نہیں پا سکتا جب تک اس میں نظم و انضباط نہ ہو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ جب تک اس کا کوئی رئیس و قائد مقرر نہ کیا جائے پس ہم تیار ہو جاتے ہیں کہ جلسوں کے لئے صدر تلاش کریں لیکن اگر یہی حقیقت شریعت کی ایک اصطلاح امامت کے لفظ میں ہمارے سامنے آتی ہے تو ہمیں تعجب و حیرانی ہوتی ہے اور اس کے لئے ہم تیار نہیں ہوتے۔

حضرات! میں مثالوں میں آپ کا زیادہ وقت نہ لونگا۔ مقصود یہ ہے کہ ہمارے لئے راہِ عمل تجدید و احیاء ہے۔ نہ کہ تاسیس و اختراع پس کسی طرح بھی یہ طریق صواب نہ ہوگا کہ علماء امت کی جمعیۃ بھی اپنے نظام و قوام کے لئے محض آج کل کی مجلسوں کے قاعدوں اور طریقوں کو نقل و محاکات پر اکتفا کر لے۔ حاملین شریعت کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے عمل کے لئے ان مجلسوں کے ڈھنگوں اور طریقوں کے محتاج ہوں ان کی راہ اتباع شریعت اور اقتدار بہ مشکوٰۃ نبوت کی ہے اور اسوۂ حسنہ نبوت اور حکمت رسالت نے ہمیں تمام انسانی طریقوں سے مستغنی و بے نیاز کر دیا ہے۔ ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہئے کہ ہم ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا دستور العمل بنا لیں شریعت کے کھوئے ہوئے نظام کو از سر نو قائم و استوار کر دیں۔ اور اس طرح اسلام

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اعمال میں یہ حقیقت اجتماعیہ بمنزلہ محور و مرکز کے قرار پائی اور تمام دائرہ عمل اسی کے گرد قائم
کیا گیا۔ عقیدہ توحید سے لے کر تمام عبادات و اعمال تک یہی حقیقت مرکزیہ جلوہ طرازی
کر رہی ہے اور اسی بنا پر بار بار نظم جماعت پر زور دیا گیا۔ علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ
رواہ ترمذی اور "علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد"
رواہ البیہقی اور "اذا کان ثلثۃ فی سفر فلیؤموا احدھم" رواہ اصحاب السنن اور
اسی لئے نظم و قوام ملت کے لئے منصب خلافت کی اطاعت قرار دیا گیا کہ تمام متفرق
کڑیاں ایک زنجیر میں منسلک ہو جائیں۔ شرح اس مقام کی بہت طولانی ہے اور معارف
کتاب و سنت اس بارے میں بیشمار اور حد احصاء و استقصاء سے باہر ہیں۔ رسالہ خلافت
میں اس پر بحث کر چکا ہوں اور زیادہ شرح و تفصیل تفسیر القرآن میں ملے گی۔

میں یہاں اس بارے میں کچھ عرض نہیں کرونگا کیونکہ گزشتہ آخری صدیوں میں مسلمانوں
کا شیرازۂ اجتماع پراگندہ ہوا اور تقریباً پانچویں صدی ہجری کے بعد سے اس پراگندگی
کے اسباب یکے بعد دیگرے ظہور میں آتے رہے۔ مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یہ ہمہ
تفرق و پراگندگی ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی اور جب تک وہ قائم رہی نظام
جماعت بھی قائم رہا لیکن اسلامی حکومت کے انقراض کے بعد مسلمانان ہند کا نظم جماعت
بالکل درہم برہم ہو گیا اور سر تا سر جاہلیت کی سی بے نظمی و بے قیدی ہم پر چھا گئی۔ بلاشبہ
مرکزی خلافت آل عثمان کی موجود تھی اور مسلمانان ہند کے لئے بھی تمام مسلمانان عالم کی
طرح وہی خلیفہ عہد و مطاع تھے لیکن مسلمانان ہند کا فرض تھا کہ یا تو اپنے علائق فعلاً و عملاً
پائگاہ خلافت سے قائم کرتے اور اس کے ایک موجود و عامل نائب کی نیابت حاصل
کرکے اپنا فرض اسلامی انجام دیتے۔ اور اگر ایسا ہونا دشوار تھا اور واقعی بات یہی ہے
کہ دشوار تھا تو پھر ضروری تھا کہ اپنے لئے ایک نائب امیر و امام منتخب کر لیتے اور اس کے
ماتحت اعادۂ حال اور تنبہ کار اور ادائے فرائض اسلامیہ میں کوشاں ہوتے لیکن بدبختانہ
ایسا نہیں ہوا اور جہاں غیر مسلم غلبہ و استیلاء پر مجبورانہ قناعت کر لی گئی۔ وہاں اس اولین

فریضۂ امارت کی طرف سے بھی ہم لوگوں کے قصور اور عزائم کے فقدان نے کوتاہی کی۔ بہرحال ایک زمانۂ دراز اس پر گزر گیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمان جو تمام کرۂ ارض میں سب سے بڑی یکجا اسلامی جماعت ہے، ہندوستان میں اس طرح زندگی بسر کر رہی ہے کہ نہ تو ان میں کوئی رشتۂ انسلاک ہے۔ نہ وحدت ملت کا کوئی رابطہ۔ نہ کوئی قائد و امیر ہے اور نہ کوئی آمر و نافذ شرع۔ محض ایک بھیڑ ہے۔ ایک انبوہ ہے۔ ایک گلہ ہے جو ہندوستان کی آبادیوں میں بکھرا ہوا ہے اور یقیناً ایک حیاتِ غیر شرعی و جاہلی ہے جس میں یہ پوری اقلیم مبتلا ہو گئی ہے۔

اس حالت کے مفاسد و شرور میں سے ایک بہت بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ برسوں سے ہندوستان میں شریعت کا باب قضاء گویا بالکل معدوم ہو گیا ہے کیونکہ قضاء کا وجود بلا قاضی کے ہو نہیں سکتا اور قاضی کا وجود امارت و امامت کے قیام پر موقوف ہے۔

حضرات! ایک منصب قضاء ہے اور ایک منصب امارت ہے۔ دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے۔ قضاء امارت کے مقاصد میں داخل اور اس کے ماتحت ہے مگر مقاصد امارت قضاء سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ پس میں مقاصد امارت کے فقدان کا ذکر کر رہا ہوں صرف قضاء کا ذکر نہیں کرتا جس کے لئے محض نام نہاد قاضیوں کا تقرر یا فرضی عدالتوں کا اجرا کافی ہو۔

حضرات! اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ حالت میں ہم کوئی قدم مقاصد اعمال ملیہ کا اٹھا سکتے ہیں؟ کیا احیاء و تجدید ملت اور قیام شرع و ادائے فرائض اسلامیہ کی کوئی صحیح راہ پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا محض ایک بھیڑ اور انبوہ کو ہے کہ ہم وہ فرائض انجام دے سکتے ہیں جن کے لئے اولین شرط عقلاً و شرعاً وجود جماعت منظمہ اور امارت صحیحہ شرعیہ ہے؟ چھوڑ دیجئے مصطلحات شرعیہ کو۔ اگر ان سے ہمیں اس قدر بعد ہو گیا ہے کہ ساری باتوں کے لئے طیار ہیں مگر بحکم اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ طریق شرعی اور اس کے نظام و قوام کے الفاظ سن کر یکایک متوحش و مضطرب الحال ہو جاتے ہیں۔

صرف انہی قواعد و اصول کو سامنے لائیے جن پر آج تمام اقوام عالم عامل ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا بغیر ایک قائد اور لیڈر کے کوئی جماعت اپنی ہستی قائم رکھ سکتی ہے؟ پھر یہی حقیقت تو شریعت نے بھی لفظ امیر یا امام میں مضمر رکھی ہے۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ اگر لیڈر کا لفظ کہا جائے تو آپ اس کا استقبال کریں اور امیر و امام کا لفظ آ جائے تو نفرت و استکراہت سے بھر جائیں؟ کیا یہ وہی غلطی نہیں ہے جس کو راہ تاسیس اور راہ تجدید کی اصطلاح میں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں۔

اس کو بھی چھوڑ دیجئے۔ آج وقت کی سب سے بڑی مہم اور اداء فرض اسلامی کی سب سے بڑی نازک اور فیصلہ کن گھڑی ہے جو آزادی ہند اور مسئلہ خلافت کی شکل میں ہمارے سامنے آ گئی ہے۔ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں جو اس وقت تک سرشار غفلت تھے اور اب آمادہ ہوئے ہیں کہ اطاعت و اعانت خلیفۂ عہد، حفظ و صیانت بلاد اسلامیہ اور آزادی ہندوستان کی راہ میں اپنا اولیں فرض اسلام انجام دیں۔ خدارا بتلائیے اس صورت حال میں بھی طریق کار کیا ہونا چاہئے اور ایسے وقتوں کے لئے آخر اسلام نے بھی کوئی نظام کار بتلایا ہے یا نہیں؟ یا وہ باوجود دعوۂ تکمیل شرع اس قدر نامراد ہو گیا ہے کہ آج اس کے پاس وقت کی مشکل و مصیبت کا کوئی حل نہیں؟ اگر بتلایا ہے تو وہ کیا ہے؟ یا محض انجمن سازی اور ہنگامۂ مجالس آرائی؟ کیا محض اتباع آرائے رجال اور تقلید ارباب ظن و تخمین؟ میں اعلان کرتا ہوں کہ اس بارے میں راہ شرعی صرف وہی ایک ہے اور جب تک وہ ظہور میں نہ آئیگی ہماری کوئی سعی مشکور نہیں ہو سکتی۔

جو فتنہ آج یورپ سے اٹھا ہے چھٹی ہجری میں بھی اس کے سیلاب بلاد تاتار و چین سے اُٹھے تھے اور تاتاریوں کے استیلا سے تمام عالم اسلامی تہ و بالا ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی تمام بلاد شرقیہ اسلامیہ کا یہی حال تھا جو آج نظر آ رہا ہے لیکن اس عہد کے علماء نے پہلا کام یہ کیا کہ جن بلاد پر تاتاریوں کا قبضہ و استیلا ہو گیا تھا وہاں تنظیم جماعت اور قیام شرع کے لئے ولاۃ مسلمین کے نصب و تقرر کا حکم دیا۔ اسی بنا پر فقہائے متاخرین کے یہاں اس کی

سے زیادہ دشوار نہیں ہے۔

حضرات: یاد رکھئے کہ آج آپ نے جس راہ میں قدم اٹھایا ہے وہ سر تا سر مشکلوں اور آزمائشوں ہی کی راہ ہے۔ وہ پھولوں کی روش نہیں ہے کانٹوں کا دشت بے کنار ہے اگر آپ کے تلوے لذت زخم سے آشنا نہیں ہیں تو مشکلات راہ کی شکایت نہ کیجئے بہتر یہ ہے کہ دیبا و مخمل کے فرش پر لوٹیے اور اس راہ کی زخم و کاوش انہی لوگوں کے لئے چھوڑ دیجئے جو اس ذوق کے لذت شناس ہیں:۔

کسے کہ تشنۂ وصل ست باکوثر نمی سازد — بآب خضر اگر عاشق بود لب [illegible] نمی سازد
رہ الفت خطرناک ست [illegible] نظر دوکن — [illegible] کشتی و دست تن با سر نمی سازد

اور حضرات! حق تو یہ ہے کہ جس راہ کو آپ مشکل کہہ رہے ہیں ساری آسانیاں اسی میں پنہاں ہیں اور جس کو آپ نے سہل سمجھ رکھا ہے مشکلوں اور دشواریوں کا وہی سرچشمہ ہے مشکلیں انسان کے بنائے ہوئے طریقوں میں ہو سکتی ہیں۔ مگر اللہ کی کھولی ہوئی فطری راہوں میں نہیں ہو سکتیں نہ وہاں دشواری ہے۔ نہ اعوجاج اور نہ کسی کا ضیق و حرج ملۃ السمحۃ الحنیفیۃ لیلہا کنہارہا۔ البتہ ساری دشواری خود ہمارے نفس و غفلت ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور بلا شبہ جب تک اس سے ہمارا چھٹکارا نہ ہوگا کوئی عمل حق بھی ہم پر آسان نہیں ہو سکتا۔

[illegible] بالحنیف ان [illegible] — قریب [illegible] دون ذلک اھوال

حضرات! بعض حضرات کا بیان ہے کہ اس سے ممکن ہے۔ کوئی نیا فساد اٹھ کھڑا ہو۔ میں عرض کروں گا کہ اگر یہ طریقہ احکام شریعت سے، خود ہے تو ہمارے لئے یقین و برہان آگیا۔ اب کیا آپ یقین کو شک کی خاطر چھوڑ دیں گے؟ آپ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی فساد پیدا ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ فوز و فلاح حاصل ہوگی پھر کیا شک لے کر آپ یقین کے مقابلے کے لئے اٹھے ہیں؟ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا

حضرات! سچ یہ ہے کہ یہ تمام مظاہر اس حقیقت کے ہیں کہ مدتوں کی غفلت اور ترک عمل کتاب و سنت کی وجہ سے ہمتیں مفقود ہو گئی ہیں عزائم معدوم ہو گئے ہیں اور عزائم امور کی

راہ سے ہم سب یک قلم نا آشنا ہو گئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سنت الٰہی وقت کی مہم کو سر کرنے کے لئے اپنی عادت جاریہ کے مطابق سرگرم انبعاث و ظہور ہو۔ اور توفیق الٰہی قیام حق اور مقام عزیمت دعوت کے لئے کسی مرد غیب کے قلب کا انشراح فرما دے۔ یہ راہ اصحاب عزم کی ہے اور فاتحین عہد کی۔ ضعفاء طریق اور درماندگان راہ کا یہاں گزارہ نہیں ہو سکتا۔ آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے جو وقت اور وقت کے سروسامان کو نہ دیکھے بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اس کی راہ تک رہا ہو۔ مشکلیں اس کی راہ میں غبار و خاکستر بن کر اڑ جائیں اور دشواریاں اس کے جولان قدم کے نیچے خس و خاشاک بن کر پس جائیں۔ وہ وقت کا مخلوق نہ ہو کہ وقت کے حکموں کی چاکری کرے۔ وہ وقت کا خالق و مالک ہو اور زمانہ اس کی جنبش لب پر حرکت کرے۔ اگر انسان اس کی طرف سے گردن موڑ لیں تو وہ خدا کے فرشتوں کو بلا لے۔ گو دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو وہ آسمان کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اتار لے۔ اس کا علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہو۔ اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت و حالات کے تمام اسرار و غوامض اور مصالح اقوام و ربایات عہد و ایام کے تمام سرائر و خفایا اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفۂ کتاب و سنت ہاتھوں میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کا مقابلہ اور ارواح و قلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

حضرات! سنہ ۱۹۱۴ء کے لیل و نہار قریب الاختتام تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت اس عاجز پر منکشف کی۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک یہ عقدہ حل نہ ہوگا ہماری کوئی سعی و جستجو بھی کامیاب نہ ہوگی۔ چنانچہ اسی وقت سے میں سرگرم سعی و تدبیر ہو گیا۔ حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے میری ملاقات بھی دراصل اسی طلب و سعی کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے پہلی ہی صحبت میں کامل اتفاق ظاہر فرمایا تھا اور یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا تھا کہ وہ اس منصب کو قبول کر لیں گے اور ہندوستان میں نظم جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا جائیگا مگر افسوس ہے کہ بعض دو و رائے اشخاص کے مشورہ سے

مولانا نے اچانک سفر حجاز کا ارادہ کر دیا اور میری کوئی منت و سماجت بھی انہیں سفر سے باز نہ رکھ سکی۔ اس کے بعد میں نظر بند کر دیا گیا لیکن ایام نظر بندی میں بھی اس کی فکر و تبلیغ سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ صوبہ بہار کے بعض احباب و مخلصین کو اُسی زمانے میں اس طرف توجہ دلائی گئی اور وہاں ابتدائی بنیاد اس کی ڈال دی گئی۔ اُسی زمانے میں میرے عزیز و رفیق مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رانچی مجھ سے ملے تھے اور اسی وقت سعی تدبیر میں مشغول ہو گئے تھے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں جب میں رہا ہوا اور موجودہ تحریک خلافت کی تنظیم شروع ہوئی تو اس وقت بھی میں نے بار بار کوششیں کیں اور تمام کارکن طبقہ کو اس طرف توجہ دلائی مگر حالات موافق و مساعد نہ ہوئے اور مجھے مجبوراً انہی اصلاحات پر قناعت کر لینی پڑی جو اس تحریک کے اندر رہ کر میں انجام دے سکتا تھا۔

گذشتہ موسم گرما میں جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی کہ تمام ملک کے لئے کوئی متفقہ و متحدہ نظم قائم ہو تو پھر یہ ارادہ کیا کہ اقلاً صوبہ وار تنظیم کا کام شروع کر دیا جائے۔ چونکہ صوبہ بہار میں تین چار سال سے ابتدائی بنیاد کام کر رہی تھی۔ اس لئے سب سے پہلے اُسی کی طرف توجہ ہوئی اور میں نہیں جانتا کہ کن لفظوں میں حضرات علماء بہار کو مبارکباد دوں۔ کہ انہوں نے سبقت بالخیرات کا مقام اعلیٰ حاصل کیا اور جمعیۃ العلماء بہار کے جلسہ میں تین سو مجمع علماء نے بالاتفاق اپنا امیر شریعت منتخب کر لیا۔

اس کے بعد ارادہ تھا کہ فوراً دوسرے صوبوں میں بھی کام شروع کر دیا جائے لیکن یکایک بعض حضرات نے اس مسئلہ کی نسبت اخبارات میں قیل و قال شروع کر دی اور بلا ضرورت علماء ملت کا ایک عملی کام انظار عوام میں بصورت اختلاف و جدل نمایاں کر دیا گیا۔ یہ چیز مجھ کو اس کام سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں روک سکتی تھی۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ اب یہ مسئلہ منظر عام پر آ چکا ہے اور جمعیۃ العلماء اس کا آخری اور قطعی فیصلہ کر سکتی ہے تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے جمعیۃ کے حوالے کر کے بالفعل سبکدوش ہو جاؤں چنانچہ ارکان جمعیت کی ایک خاص مجلس شوریٰ منعقدہ دہلی میں یہ مسئلہ پیش ہو کر

بالاتفاق منظور تھا اور اب اس کا آخری فیصلہ اس اجلاس کے ہاتھ میں ہے ۔
حضرات! ارکان جمعیت و علمائے کرام آپ کی جمعیت کے لئے شریعت کا مقررہ
نظام عمل یہ ہے اور صرف یہی ایک راہ فوز و فلاح کی ہے ۔

صدارتی خطبہ تقریری

اجلاس جمعیۃ العلماء ہند لاہور

نومبر ۱۹۲۱ء

حضرات! مجھ کو اس موقع پر جو عروضات آپ کی خدمت میں پیش کرنا تھیں خاص طور پر اصرار کیا گیا کہ میں اپنی عادت کے خلاف اُسے قلمبند کر دوں۔ یہ جس قدر بھی حصہ خطبہ کا تھا۔ اگرچہ ایک حد تک بے صبری اور بد ذوقی سے سُنا گیا لیکن بہر حال میں آپکا مشکور ہوں کہ آپ نے یہ تمام حصہ سُن لیا میں سمجھتا ہوں کہ ان متفرق داستانوں کے سننے کے بعد جو مختلف طرق رہ چکے ہیں۔ اس کا ایک سرسری خاکہ آ گیا ہوگا۔

اب اس کے بعد اس امر کی ضرورت تھی کہ دوسرے ٹکڑے کی جانب توجہ ہوتی کہ جو اگرچہ جمعیۃ العلماء کے عظیم مقصد میں داخل نہیں ہے بلکہ جمعیۃ کے مقصد میں داخل نہیں ہے لیکن فی الحقیقت وقت کا یہ عظیم الشان مسئلہ ہے جو نہ صرف جمعیۃ العلماء بلکہ عالم اسلامی کے لئے ہر قائل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے لئے بلکہ ہر انسانیت دوست اور انسانیت پسند انسان کے لئے جو مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ وقت کا مسئلہ تھا اور ضرورت تھی کہ اس کی جانب میں متوجہ ہوتا۔ اور اس بارے میں بھی جمعیۃ العلماء کے مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ آپ کے سامنے میں پیش کرتا لیکن اب اس وقت جلسہ کا زیادہ بہتر، زیادہ مستعد حصہ اس خطبہ میں صرف ہو چکا ہے اور جلسہ کی موجودہ حالت اس کے لئے متحمل نہیں ہے کہ اب میں اس ٹکڑے کو زیادہ صراحت و تفصیل کے ساتھ عرض کر دوں لیکن چند ضروری ٹکڑے ہیں جن کو اختصار کے ساتھ میں چاہتا ہوں کہ آپکے گوش گزار کر دوں۔

اس وقت میری آپ کے اس مجمع میں حیثیت کیا ہے؟ میں اس وقت آپ کے

سامنے ایک واعظ، ایک داعی، ایک مقرر نہیں ہوں اس لئے یہاں نہیں کھڑا ہوں کہ آپ کے کانوں اور آنکھوں کے لئے تماشہ بنوں۔ میرا کام ایک خاص فرض کا ادا کرنا ہے۔ لوگوں کے حسنِ ظن نے مجھے اس پر کھڑا کر دیا ہے۔ میرا فرض یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء کے تعلق کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن خیالات کا اعلان ہونا چاہیئے وہ عرض کر دوں۔ اس وقت اگر آپ واعظانہ صحبتوں کا وقت لے کر آئے ہوئے ہیں تو اس کا بہترین وقت آپ کے سامنے آنے والا ہے۔ اس وقت جو بیان آئے گا۔ وہ ادائے فرض ہے۔ سب سے پہلے جو مسئلہ اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ وہی مسئلہ ہے جو تمہاری زبانوں پر نہیں بلکہ تمہارے دلوں کے صفحوں پر نقش ہے یعنی **مسئلہ خلافت**۔ مسئلہ خلافت کا تعلق، اس کی اہمیت، اس کے متعلق عمل میں مسلمانوں کے اوپر کا وجوب، مسلمانوں کے لئے اُن کی ضرورت نہ صرف ضرورت بلکہ ایمان و کفر کے امتحان گاہ کا اِن کے لئے پیدا ہو جانا، ان تمام پہلوؤں کو نہایت تشریح کے ساتھ گذشتہ دو سال کے اندر میں بیان کر چکا ہوں۔ اور میں نہ چاہوں گا کہ وہ دہرائی ہوئی داستان پھر آپ کے سامنے دہراؤں۔

وقت کے حالات اس امر کا ضرور داعیہ رکھتے ہیں۔ کہ اس امر کو ظاہر کروں۔ کہ خلافت کے متعلق مسلمانانِ عالم اور علی الخصوص مسلمانانِ ہند کے مطالبات شرعی کیا تھے۔ تاکہ ایک مرتبہ ان مطالبات کا اعادہ موجودہ حالت کے اعتبار سے اس امر کا فیصلہ کرے کہ ہمارے مطالبات کیا ہیں اور ان مطالبات کی صورت اور نوعیت کیا ہے۔ اور وہ دُنیا کے ہر طرح کے خیالات، سے ہر طرح کی مفاہمت سے سمجھوتوں سے بالکل بالاتر ہے کسی طرح کی گنجائش باقی نہیں ہے۔

مسئلہ خلافت کے سلسلے میں صحبت میں مجھ کو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ خلافت کے متعلق جو ہمارے مطالبات تھے۔ اس میں نہ تو کچھ گھٹا سکتے ہیں نہ بڑھا سکتے ہیں۔ نہ کوئی قدم پیچھے لے جا سکتے ہیں نہ داہنے لے جا سکتے ہیں نہ بائیں۔ اس میں کسی

طرح کا سمجھوتہ یا مفاہمت کا سوال نہیں ہو سکتا۔

اس بارے میں مسلمانوں کے مطالبات یہ تھے کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے بالکل پاک کر دینا چاہیئے۔ جزیرۃ العرب کے متعلق ہمارا یہ اعلان تھا کہ جزیرۃ العرب فقط حرمین کا نام نہیں ہے۔ بلکہ عراق کا دو تہائی حصہ بھی حسب جغرافیہ اس میں داخل ہے۔ اس لئے عراق کی سرزمین، البصرہ کا علاقہ اور بغداد کا علاقہ جزیرۃ العرب میں داخل ہے جس وقت تک انگریزوں کا اثر جزیرۃ العرب کی ایک چپہ زمین پر باقی رہے گا مسلمانان عالم کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے صلح و سمجھوتہ کا ہاتھ برٹش گورنمنٹ کی طرف بڑھا سکیں جس وقت ایک چپہ زمین پر، ایک انچ زمین پر، اتنے حصہ پر کہ جتنے حصہ میں عراق کے اڑنے والے گرد و غبار کا ایک ذرہ آ سکتا ہے، اگر انگریزی حکومت کا بلاواسطہ یا بالواسطہ باقی رہے۔ یہ مسلمانوں کے لئے آسان ہے کہ بچھوؤں کے ساتھ، سانپوں کے ساتھ صلح کر لیں۔ پہاڑوں کے غاروں اور بھٹوں میں چلے جائیں۔ وہاں درندوں کے ساتھ صلح کر لیں مگر یہ ممکن نہیں کہ انگریزوں کے سامنے صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔

جزیرۃ العرب کے بعد مسئلہ خلافت کے مطالبات کیا ہیں؟ وہ بھی آپ کو یاد ہیں۔ وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے میں اس امر کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ کہ وہ بھی آپ کو یاد دلا دوں۔

دوسری اہم چیز ہمارے سامنے فلسطین کی وہ سرزمین ہے جس کی تحریم ہمارے لئے ویسی ہی ضروری ہے جب تک کہ اس کا ایک چپہ بھی غیر مسلم اثر میں باقی ہے اس وقت تک محال ہے کہ ہمارے واسطے کسی صلح یا مفاہمت کا دروازہ کھل سکے میں اس وقت، ان دفعات کی تشریح نہ کروں گا۔ جو خلیفۃ المسلمین پر بصورت شرائط عاید کئے گئے۔ یا خلافت کے ان حقوق پر جس وقت تک ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی باقی ہے اس وقت تک مسلمانان ہند کے لئے محال قطعی ہے کہ وہ صلح کا، اتفاق کا

کوئی ہاتھ بھی اس گورنمنٹ کی طرف بڑھا سکیں ہیں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ اب جب کہ حالات نے پلٹا کھایا، واقعات نے اپنا ورق الٹا اور حضرت غازی مصطفے کمال پاشا کی فوجوں نے یقیناً موجودہ جنگ کے میدان ہی کو نہیں بلکہ وسط ایشیا کے میدان کو ہمیشہ کے لئے فتح کر لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے بار بار اس طرح کی چیزیں لائی جاتی ہیں اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ آج مسلمانوں کے مطالبات خلافت کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز تھریس اور سمرنا ہے۔

لیکن میں اس وقت اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ سمرنا اور تھریس کا میدان فی الحقیقت وہ دونوں ایسے میدان تھے کہ اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا تو ہندوستان کے مسلمانوں کی آہ و فغاں سے نہیں بلکہ زندہ انسانوں کے ذریعہ ہو سکتا تھا۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ فی الحقیقت تمام مسئلہ خلافت میں یہ ظلم اتنا نمایاں اور ابھرا ہوا تھا کہ بار بار مقررین خلافت اپنی تقریروں میں ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ دونوں علاقے یونان کو دلائے گئے۔
——— یونان فریق جنگ نہ تھا جنگ سے اس کا تعلق نہ تھا۔ اس کو بار بار نمایاں کر کے پیش کیا جاتا تھا لیکن اس سے یہ مقصد نہ تھا کہ مطالبات خلافت میں اس کی اہمیت بمقابلہ دیگر معاملات کے سبب سے میں اس امر کا اعلان کر دینے کے لئے تیار ہوں کہ سمرنا اور تھریس کو غازی مصطفے کمال پاشا کی تلوار کی نوک کی قسمت پر چھوڑ دیجئے۔ ہمارا مطالبہ جزیرۃ العرب، فلسطین اور شام کے لئے ہے۔ بیت المقدس کے لئے ہے اور ان شرائط کے لئے ہے جو بارگاہ خلافت کے لئے عاید کی گئیں۔

مسئلہ خلافت کے متعلق جو عرض کرنا تھا، وہ چند اشارات تھے جو آپ کے گوش گذار کر دیئے۔ میرے فرائض میں سے ایک نہایت اہم فرض یہ بھی ہے کہ ایک دوسری جانب بھی کچھ نہ کچھ اشارہ کروں۔

میرا مقصد وہ حادثہ ہے کہ جس حادثہ کو آپ میں سے تقریباً تمام اخبار بین اور باخبر حضرات مختلف اخبارات میں پڑھ چکے ہونگے۔ میرا مقصد جنوب ہند سے مدراس

مالابار کے اس حادثہ سے ہے جس کے متعلق طرح طرح کے نتائج و حالات آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ اس موقعہ پر جمعیۃ العلماء کے اس مجمع میں یقیناً اپنا فرض محسوس کرتا ہوں کہ اپنی ذمہ داری کے ساتھ اس واقعہ کی نسبت احکام شرع کی رو سے جو ہمارا اعلان ہو سکتا ہے۔ اس اعلان کو اختصار کے ساتھ میں بیان کر دوں۔ تاکہ اس کے متعلق نہ کسی طرح انتشار رہے، نہ غلط فہمی رہے اور نہ پیچیدگی باقی رہے۔ اس واسطے آپ مجھے اجازت دیں گے کہ موپلاؤں کے متعلق کچھ عرض کر دوں۔

میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ جو واقعات ہوئے اُس کے علل کیا ہیں۔ اور جو داستانیں اس وقت تک ہمارے کانوں سے ٹکرا چکی ہیں، اُس کی صداقت کیا ہے۔ اب تک وہاں کے حالات تاریکی میں ہیں۔ اُس کی روشنی ہم تک نہیں آئی۔ ایک واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے اور ایک پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ مدراس میل کا نامہ نگار ایک واقعہ لکھتا ہے اُس سے دوسری صورت ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے۔ حقیقت میں اور صداقت میں، اور ان واقعات میں ایسی صورت حائل ہے کہ وہاں کے اصلی حالات کو ہمارے سامنے نہیں آنے دیتی۔ آپ اس امر کا فیصلہ کر لیں کہ اس حادثہ کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ میں جو کچھ عرض کروں گا کہ وہ اس قدر صاف اور واضح ہے کہ آپ میں سے کسی کو اس سے متفق ہوتے ہوئے تامل نہ ہوگا۔

دو چیزوں کے متعلق میرا فرض ہے کہ میں صاف صاف اعلان کر دوں۔ پہلی چیز وہ واقعہ ہے کہ جو وہاں رونما ہوا یعنی وہ لڑائی، وہ جنگ، وہ فساد، وہ تشدد کہ جو وہاں واقع ہوا ہے۔ اور اس وقت تک اصلیت ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ یہ خبر بھی بار بار بیان کی گئی ہے کہ موپلاؤں نے وہاں انگریزی حکومت سے لڑائی کی۔ تلوار اٹھائی۔ اُس کی عدالتوں، اور اُس کی حکومتوں سے لڑائی کی۔ اور یہ جو انہوں نے شمشیرزنی کی یہ واقعی انہوں نے خلافت کا نام لے کر کیا۔ اور اس اعلان کے ساتھ کیا کہ خلافت کے مسئلہ سے جو فرائض ہم پر عائد ہوئے ہیں اُن کی وجہ سے ہم نے تلوار اٹھائی ہے میں نہیں

وہ یہی جمعیۃ العلماء ہے اس نے یہ راہ عمل قرار دی کہ مطالبات خلافت پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو جو طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے، وہ طرز عمل لڑائی کا نہیں ہے قتال کا نہیں ہے، جنگ کا نہیں ہے، خونریزی کا نہیں ہے۔ بلکہ اس راہ کو امن و سکون کے ساتھ طے کرنا چاہیئے۔

پھر جمعیت العلماء کا یہ فیصلہ تھا۔ اس نے جو بڑی سے بڑی جماعت ملک میں ہو سکتی ہے، جس وقت اس امر کا اعلان کر دیا۔ تو میں ان کو احکام شرع کی رو سے بتلانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی کسی جماعت، کسی گوشہ ملک کو خواہ وہ مالابار ہو یا ہندوستان کا کوئی گوشہ جہاں مسلمان بستے ہوں، بشرطیکہ ان کی جماعت کو اس فیصلہ کی اطلاع ہو چکی ہو، احکام شرعیہ کی رو سے اس اعلان کے بعد جائز نہیں ہے کہ اس جماعتی فیصلہ سے اپنے قدم کو باہر نکالے اور اس طرز عمل کو اختیار کرے کہ جس طرز عمل کو مسلمانوں نے بحیثیت جماعت رد کر دیا ہے۔ اس لئے میں اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر موپلاؤں نے خلافت کے مقصد کو لے کر تلوار اٹھائی اور جنگ کی۔ تو ان کا یہ عمل اس جماعتی فیصلہ کے خلاف تھا جو ہندوستان کے علماء نے کیا ہے۔ اس لئے یقیناً ان کو ملامت کی جا سکتی ہے۔ ان کو کسی حالت میں یہ حق نہ تھا کہ وہ ہندوستان کے جماعتی فیصلہ سے قدم باہر نکالیں اور ہندوستان کے کسی گوشہ کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی جماعت نے جو فیصلہ کر دیا ہے۔ اس سے روگردانی کریں۔ انفراداً اس کا اصول تم کو معلوم ہے، اس کا معیار تم کو معلوم ہے بحیثیت جماعت کے جو عمل انہوں نے اختیار کیا، بلا کسی تاویل کے یہ کھلی ہوئی چیز ہے کہ جب جمعیۃ العلماء نے فیصلہ کر لیا خواہ استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے۔ خواہ سر و سامان نہ ہونے کی وجہ سے۔ جب انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو راہ تم کو اس وقت اختیار کرنا ہے وہ تلوار کی نہیں ہے بلکہ اور حقیقتیں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے اس مقصد کو ڈھونڈنا چاہیئے جب مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا تو مسلمانوں کو یہ جائز نہ تھا کہ اس سے قدم باہر نکالیں۔ اگر انہوں

نے قدم باہر نکالا تو انہوں نے ترکِ اجماع کیا۔ اس کے لئے ہم اُن کو ملامت کر سکتے ہیں۔ سرزنش کر سکتے ہیں۔ اِن کے اس ترک اجماع سے ہماری اس جماعت کو نقصان پہنچا ہے، تو احکام شرع کی رُو سے اُن کی تعزیر کی جا سکتی ہے۔ بلاشبہ اس اعتبار سے یہ کھلی ہوئی چیز ہے۔ یہ حقیقت ہر شخص کو معلوم ہے کہ خلافت کے مطالبات کی رُو سے اور خلافت کے مقاصد کو اگر ترک کر دیجئے جب بھی ہندوستان کے مقتضیات کی رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کیلئے اٹھے۔ اور اپنی لاشوں کو تڑپا لیتے۔ موپلاؤں یا کسی مسلمان نے اگر یہ سمجھ کر کہ ہم اس کو احکام شرع کی رُو سے جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں، تو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہم اس کو گناہ نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت نفس عمل سے کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن بحث یہ ہے کہ جن حالات میں وہ عمل کیا گیا، جن وقتوں میں وہ عمل کیا گیا، اس کے اعتبار سے اُس کے احکام کیا ہیں۔ بلاشبہ شریعت نے جو روشنی ہمارے سامنے پھیلائی ہے، ہم دیکھ سکتے ہیں کہ علما رکا فیصلہ اس کے خلاف تھا۔ اس وقت جو راہ ہم نے اختیار کی ہے یہ تلواروں کی نہیں ہے۔ جب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تو مالابار کے مسلمانوں کو یہ حق نہ تھا کہ وہ جمعیت کے التزام کو ترک کر دیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تھا تو ان کو سرزنش کی جا سکتی ہے لیکن حقیقتاً وہاں واقعات کیا رُونما ہوئے ہیں، اس کے متعلق میں صحیح حالات نہیں بتا سکتا۔

بعض لوگوں کی طرف سے بیان کیا گیا کہ موپلا مسلمانوں نے جو کچھ کیا منجملہ اُن کے ایک بات یہ بھی بیان کی گئی کہ اُس بستی والے ہندوؤں پر جبر کیا اور جبراً ان کو مسلمان بنایا گیا۔ صحیح واقعات ہمارے سامنے نہیں۔ یہ چیز جو ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے رسیول افسانے ہیں جو اس کے خلاف ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ خود میرے پاس متعدد خطوط مالابار سے آ چکے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ یہ واقعات صحیح ہیں تو ہم کو چاہیئے کہ جو ہمارے اعتقادات ہیں وہ مخفی نہ ہوں۔ ہمارا کھلا ہوا آشکارا مذہب ہے

ہم کو چاہیے کہ ہم بیان کر دیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ جیسا کہ ہمارے بہت سے علماء نے شائع کیا ہے۔ ہر شخص متفق ہوگا کہ اگر وہاں کے مسلمانوں نے محض اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے یا اُن سے انتقام لینے کے لئے ظلم جبر کر کے ان کو مسلمان بنانا چاہا ہے، تو ہم میں سے ہر شخص جس کو شریعت کا علم ہے اس کا اعلان کرے گا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو اُن کا یہ کرنا شریعت کا عمل نہیں ہے، بلکہ شریعت کی توہین ہے۔ شریعت نے کبھی حکم نہیں دیا ہے کہ جبراً مسلمان بنایا جائے۔ جن پر شریعت نے جبر کیا تھا اُن کے لئے بھی "جزیہ" کی راہ رکھی تھی جن حالات میں یہ کیا گیا ہے، اس بیقاعدگی کو دیکھتے ہوئے کسی طرح کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ایک لمحہ کے لئے اُن کا یہ فعل اسلامی عمل تھا۔ مسلمان اس اعلان کے لئے تیار ہیں کہ اُن کے اُس جبر سے، اس ظلم سے بشرطیکہ جبر ہوا ہو، ہندوستان کے کسی مسلمان کو دلی ہمدردی نہ ہوگی۔ ہماری ہمدردیاں انہی اسباب پر ہیں جو حق ہیں۔

اس کے بعد اگرچہ مطالبات بیشمار ہیں، لیکن ابھی میں نے ضمناً ایک چیز کہہ دی ہے قبل اس کے کہ میں اپنے مختصر بیان کو ختم کروں، چاہتا ہوں کہ ایک غلط فہمی جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ الحمدللہ عمل میں نہیں۔ فعل میں نہیں لیکن لفظوں میں، اختصار کے ساتھ اس غلط فہمی کا ازالہ کر دوں۔

تشدد و عدم تشدد، یہ دو چیزیں ہیں جو اس وقت ہمارے سامنے آئی ہیں اور جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہم نے عدم تشدد کی راہ اختیار کی ہے۔ نیز یہ بھی بار بار کہا جاتا ہے۔ بطور ایک مسلّم عقیدہ کے کہ اگرچہ بحیثیت مسلمان ہونے کے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ تشدد کریں۔ لیکن وقت کی ضرورتوں کو دیکھ کر انہوں نے اس عقیدہ کو ملتوی کر دیا ہے۔ اس بارے میں چند الفاظ عرض کروں گا۔ اگرچہ وقت کوتاہ ہے اور جتنی تفصیل کی ضرورت ہے، اتنی گنجایش نہیں ہے۔

سب سے پہلے میں یہ چیز لوں گا کہ فی الحقیقت تشدد اور عدم تشدد کی لفظی ترکیب

جو اختیار کی گئی، یہ ترکیب ہی غلط ہے۔ اگر تشدد سے مقصود ہے، تشدد لغوی۔ تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ اسلام نے کسی حالت میں ایک لمحہ کے لئے مسلمانوں کی کسی جماعت کو کسی فرد کو تشدد کا حکم نہیں دیا ہے۔'

تشدد کے معنی ہیں ظلم کے، اسراف و اتلاف حق کے، پھر کیا ایک لمحہ کے لئے بھی اسلام نے ظلم کا حکم دیا ہے، اسراف کا حکم دیا ہے، بیجا زیادتی کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے ان میں کسی ایک چیز کا حکم نہیں دیا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر تشدد سے مقصود یہی ہے کہ جو معنی اس کے ہیں۔ زیادتی کرنا، سختی کرنا، تو میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ ایک منٹ کے لئے بھی اسلام نے کسی حالت میں زیادتی و سختی کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور چیز ہے، جس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ وہ تشدد نہیں ہے، زیادتی نہیں ہے، ظلم نہیں ہے، مار پیٹ نہیں ہے۔ بلکہ وہ دوسری چیز ہے۔ اس کا نام ہے جنگ، قتال، لڑائی۔ یہ ایک منظم عمل ہے جس کے شرائط ہیں، حالات ہیں جو اس لئے نہیں ہیں کہ ظلم کو قائم کرے۔ زیادتی کرے، سختی کرے بلکہ اس لئے ہے کہ حقوق و عدل کو دنیا میں قائم کرے۔ بلاشبہ اسلام نے، شریعت نے جنگ کا حکم دیا ہے، جس طرح انسان کی فطرت اور نیچر جائز رکھتی ہے۔ میں ایک منٹ کے لئے بھی تسلیم نہ کرونگا کہ اس نے تشدد کا حکم دیا ہے، جنگ دوسری چیز ہے، خون ریزی، مار پیٹ اور قتل و غارت دوسری چیز ہے۔ اسلام نے اس چیز کا حکم کبھی نہیں دیا ہے جس کو خونریزی سے تعبیر کرتے ہو۔ اس واسطے کہ وہ یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ دنیا میں خدا کی عالمگیر برادری کو قائم کرتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایک لمحہ کے لئے خدا کی محبت قائم نہیں رہ سکتی۔ جب تک محبت مٹانے والے دنیا میں باقی ہیں۔ دنیا میں خدا کا عدل قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ عدل کے مٹانے والے دنیا میں باقی ہیں۔ اس واسطے عدل کے قیام کے لئے محبت کے قیام کے لئے نوع انسانی کی عالمگیر اخوت کے قیام کے لئے ضرورت ہے کہ جنگ کا وجود ہو،

لڑائی کا وجود ہو، قتال کا وجود ہو جو خدا کی زمین کو پامال کرنا چاہیں جن کا وجود دنیا میں ظلم کے لئے ہے۔ بلاشبہ ان کے وجود کی گندگی سے زمین کو پاک کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ تلوار بھی ہو اور وہ سرخی بھی ہو جو انسانوں کے خون سے تلوار پر چڑھتی ہے۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ اسلام نے جنگ کی اجازت دی ہے، لیکن خاص شرائط کے ماتحت جس طرح کہ دنیا کی تمام قوتوں نے دنیا کے کل حصہ نے قوماً و فعلاً تقریباً دنیا کی تمام قوموں اور تمام طبیعت بشری نے اس چیز کا اعتراف کیا ہے اس بنا پر تشدد اور عدم تشدد کا جو استعمال کیا جا رہا ہے، اور جن معنوں میں استعمال کیا جا رہا ہے ان معنوں میں کسی طرح یہ استعمال صحیح نہیں۔ تشدد تو اسلام کے نقطۂ نگاہ سے کسی حالت میں جائز نہیں۔ اسلام کے نزدیک تو بجز عدل کے کوئی قتل انسان کا جائز نہیں ہو سکتا۔ تشدد کا حکم اسلام نے کسی حالت میں نہیں دیا ہے۔ جنگ کا حکم دیا ہے۔ جبکہ جنگ عدل قائم رکھنے کے لئے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ جج بھی قتل کرتا ہے اور ایک ڈاکو بھی۔ جج قتل کرتا ہے پھانسی کے تختہ پر۔ ڈاکو قتل کرتا ہے مظلوم انسانوں کے بستروں پر۔ لیکن دنیا جج کی تعریف کرتی ہے اور ڈاکو پر لعنت کرتی ہے۔ حالانکہ دونوں نے قتل انسان کا کیا ہے لیکن ایک نے جو قتل کیا ہے زیادتی کے لئے اور دوسرے نے جو قتل کیا ہے وہ دفع تشدد کے لئے۔ خدا نے عدل کے قیام کے لئے، انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے جنگ کو جائز رکھا ہے۔ اس کے لئے تشدد کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے۔

اب یہ دیکھو کہ مان لیا جائے کہ تشدد سے مقصود واقعی جنگ ہے، لڑائی ہے لیکن اب اس بارہ میں ہمارا موجودہ طرز عمل کیا ہے۔ اس بارہ میں میں یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی عزیز جو یہ سمجھتا ہو کہ اس جمعیۃ العلماء کے اعضاء و اراکین نے اس امر کا اعلان محض کسی شخصی رائے کی بنا پر کیا ہے، کسی وقت کی مصلحت

کی بنا پر کیا ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی آپ میں سے کسی کا خیال ہو تو آپ پر واضح ہو جائے کہ آپ کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی درست ہو تو مسلمانوں کے لئے کسی ایسے عمل کے ترک کا مستحسن ہونا تو درکنار کوئی ملحدانہ عمل نہیں ہو سکتا۔ اگر مسلمان شریعت کی کسی تسلیم کو محض چند انسانوں کی خوشنودی کی خاطر ایک لمحہ کے لئے بھی چھوڑ دیں ترک کر دیں، کوئی اس طرح کا سمجھوتہ کر لیں، مفاہمت کر لیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عمل اسلامی عمل نہیں ہے۔ یہ ایک سخت سے سخت ملحدانہ عمل ہے جس سے بڑھ کر ملحدانہ عمل مسلمانوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کسی حالت میں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ اسلام کی چھوٹی سی چھوٹی فرع کو ایک لمحہ کے لئے ترک کر دیں۔

اگر مسلمانوں نے تمہاری بولی میں ترک تشدد کی پالیسی اس لئے اختیار کی ہے۔ کہ چند انسانوں کی مصلحتیں اور چند انسانوں کی آرا ان کے سامنے آ گئی ہیں، تو اول تو یہ حقیقت کے خلاف ہے اور یہ اتنا بڑا سوءِ ظن ہے کہ اس سے بڑھ کر سوءِ ظن مسلمانوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کہ اس بڑی جماعت نے وہ عمل کیا ہے جس کے معنی ہیں خدا کی شریعت سے منہ موڑ لینے کے۔ اس نے گردن نہیں موڑی ہے۔ اس نے جو اعلان کیا ہے اس کی بنا ربھی احکام شریعت پر ہے۔ بلاشبہ موجودہ حالت میں احکام شرع کی رو سے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے جو شرعی عمل ہو سکتا تھا وہ وہی تھا جو انہوں نے کیا۔ اور مسلمانوں کے علماء کا اس پر متفق ہو جانا کہ مسئلہ خلافت کے لئے جن کاموں کو انجام دیں گے بلا لڑائی لڑے ہوئے ہم کو انجام دینا چاہیئے۔ اس کی بنیاد بھی نظام شرعی پر ہے بعض ایک فرد یا ایک جماعت کی رائے نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس آسمان کے نیچے کسی بڑے سے بڑے امام و خلیفہ کو، بڑے سے بڑے عالم کو ایک منٹ کے لئے یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کہ اللہ کی شریعت کے خلاف کسی چھوٹی سے چھوٹی فرع کے خلاف خدا کے چند بندوں سے سمجھوتہ کر لیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے بڑھ کر کوئی ضلالت نہیں ہو سکتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ سوءِ ظن ایک

لمحہ کے لئے ممکن ہوتا تو ہم کو اپنی بدبختی پر شہادت دینی ہوتی۔

جمعیۃ العلماء نے اور ذمہ دار جماعتوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ راستہ لڑائی کا نہیں ہے، جنگ کا نہیں ہے، حرب کا نہیں ہے، قتال کا نہیں ہے، خونریزی کا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو جو راہ اختیار کرنا ہے وہ امن، شرعی اور پرسکون ہے۔ ان کا یہ فیصلہ کسی شخصی رائے پر نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت اس کی بنیاد شریعت کے نظام پر ہے۔ اس روشنی پر ہے جو شریعت کی رو سے ہمارے سامنے آتی ہے اور بتاتی ہے کہ ہمارے لئے وہ صحیح راہ ہو سکتی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے اور جس کو ہمیں آخر تک پہنچانا ہے۔

میرے دوست مولوی حسرت موہانی نے فرمایا کہ اس امر کا اعلان کر دیا جائے کہ کیا دفاعی جنگ بھی ممنوع ہے۔ دفاعی جنگ ڈیفنس میں لڑنا۔ دفاع کا کیا سوال ہے میرا اعتقاد ہے کہ قرآن نے جن حالتوں میں مسلمانوں کو جنگ کا حکم دیا ہے وہ دفاعی ہی نہیں ہے، بلکہ ہجوم کی جنگ بھی ہے۔ موپلاؤں اور مسلمانوں کی کسی جماعت کے لئے بعد اس کے کہ مسلمانوں کے اہل الرائے نے، صاحب بصیرت نے، ان سب نے جو متفق ہو کر متحد ہو کر اس امر کا اعلان کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ راہ عمل ہے۔ تو ہندوستان کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس سے علیحدہ قدم نہ لے جائے۔ مقصد اس وقت یہ ہے اور بلاشبہ یہ کھلی حقیقت ہے اگر موپلاؤں نے ان ایام میں تلوار اٹھائی۔ تو ان کا یہ فعل ہماری اس جماعت کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ اور اب جس کے اس فعل سے ہمارے تمام مقاصد پر جو اثرات پڑیں گے، ان کی بنا پر ہم ہمیشہ حکم لگائیں گے۔ اگر ان سے ہم کو مشکلات پیش آئیں جن کی مصالحت کی ہم کو ضرورت ہے تو ہم اس سے زیادہ سخت رائے ظاہر کریں گے اور احکام لگائیں گے کیونکہ ان کا یہ فعل ایسا فعل ہے۔ کہ انہوں نے جمعیت کے فیصلہ کو ترک کر کے کیا۔ بشرطیکہ ان کو جمعیت کے فیصلہ کا علم ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہندوستان میں جو ایک خاص طرح کی بدبختانہ زندگی ڈیڑھ سو برس سے ہندوستان کے مسلمان برداشت کر رہے ہیں اور جس طرح انہوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے، نامرادی کی وجہ سے، سرکشی کی وجہ سے تعلیم الٰہی سے اعراض کی وجہ سے جو طریقہ اختیار کر لیا کہ وہ اس درجہ اس حالت میں غرق ہو گئے ہیں۔ کہ اس حالت سے ان کو نکالنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک پوری تعلیم کو الٹ دیا جائے اور ایک انقلاب پیدا کر دیا جائے۔ ہندوستان کے اندر بھی خاص طور پر مظالم کئے گئے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ بسنے والی حلیف قوموں کا خون بہایا گیا۔ اسلامی حکومت کے مقابلہ میں اسی حکومت کی فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایسی حالت میں اب ہندوستان کے مسلمان جن کی تعداد دس کروڑ تک پہنچتی ہے۔ اور جو دو سو برس سے اس زندگی کو گوارا کئے ہوئے ہیں، اب ہندوستان کے مسلمان کیونکر اپنے فرائض شرعی کو انجام دیں۔ تو اگر ہندوستان کے علماء نے، اہل الرائے نے اس امر کا فیصلہ کر لیا کہ بلاشبہ ایسی منزل عمل آگئی ہے۔ ایسے نتائج موجود ہیں۔ اس طرح کی بے استطاعتی، اس طرح کی غفلت و بے سروسامانی آج تمہاری کمر میں نہیں بلکہ تمہارے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ تلوار ایک لوہار کے یہاں نہیں تو دوسری جگہ مل جائے گی۔ ہندوستان کے علماء نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ تمام مصائب کو جھیل جائیں۔ حملہ ہو تو اس کو بھی جھیل جائیں۔ قید خانہ کے دروازے کھولے جائیں۔ تو اس کو بھی جھیل جائیں۔ اگر انہوں نے یہ فیصلہ احکام شرع کے خلاف نہیں ہے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر عمل پیرا ہوں، مقصد یہ تھا کہ موجودہ حالت میں جب ہندوستان کے مسلمانوں نے بحیثیت جماعت کے یہ فیصلہ کر لیا تو ہندوستان کے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی پیروی کرے، اس سے منحرف نہ ہو۔

موپلا اور مالابار کے مسلمانوں نے اگر یہ سوچا ہے تو اس کے کہہ دینے میں ہم کوئی باک نہیں رکھتے کہ انہوں نے ایسا کیا کہ مسلمانان ہند کے متفقہ طرز عمل

سے انہوں نے انحراف کیا۔ یقیناً ان کو ملامت کی جا سکتی ہے اور ان کو سرزنش کی جا سکتی ہے۔ اس عمل کے وہ ذمہ دار ہیں، ہم شریک نہیں ہیں۔

اس امر کے متعلق جو مجھ کو عرض کرنا ہے۔ کر چکا۔ تشدد کے متعلق جس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا تھا یہ تھا کہ ہم نے یہ طرز عمل اختیار کیا ہے تو محض اس لئے کہ چونکہ علمائے دین کا فیصلہ ہے۔ اس طرح کسی انسان کا پیش رو ہونا کسی قائل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے لئے جائز نہیں ہے۔ پس ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ معلوم کریں کہ تمہاری زبان کے مطابق مسلمان عدم تشدد پر عامل رہیں گے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ امید ہے کہ آنے والے دو دنوں کے اندر وہ بھی آپ کے سامنے آجائے۔

حضرات! اب اس کے بعد جو ضروری ٹکڑے ہیں۔ جن کو میں اس وقت نظر انداز کرتا ہوں۔ وہ ہندو مسلمانوں کا اتحاد ہے۔ اس اتحاد کے متعلق احکام شرعی کیا ہیں اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اس بارے میں احکام شریعت کیا ہیں، حالات گزشتہ کی بنا پر، موجودہ حالات کی بنا پر، اور آئندہ آنے والے حالات کی بنا پر ایک نہایت ضروری موضوع یہ تھا۔ لیکن میں اس کو اس وقت نظر انداز کرتا ہوں۔ شاید کل یا پرسوں عرض کروں گا۔ اس لئے کہ وقت کی صورت مساعدت نہیں کرتی۔

ایک اور مسئلہ ہے، جو ایک ہندی لفظ کے بھیس میں سوراج کے لفظ میں آیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ محض لباس کا تغیر آپ کو حقیقت و معانی سے ناآشنا نہ کر دے گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ حقیقت آپ کے لئے کوئی نئی حقیقت نہیں ہے، نیا پیغام نہیں ہے۔ عمل کا کوئی نیا دروازہ نہیں کھلنا چاہتا ہے مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کرہ ارضی کے نیچے دنیا کی کوئی جماعت، قوم، فرد نہیں ہے۔ کہ جس کو اس کے خدا اور رسول نے اس حقیقت محبوبہ کو اس کے دل کے ایک ایک گوشہ میں نہ رچا دیا ہو، اور اس کے تمام جسم میں نہ پھیلا دیا ہو یہ حقیقت ہے

جو تیرہ سو برس سے آپ کے سامنے موجود ہے۔

(اس موقع پر یکایک بجلی کی روشنی گل ہو گئی اور تمام ہال میں تاریکی
چھا گئی۔ رضا کاران نے گیس لیمپ اور لالٹینیں ہال میں منگائیں۔
لیکن چند منٹوں کے بعد ہی بجلی کی روشنی پھر ہو گئی۔ جس پر حاضرین نے
نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا)

عزیزانِ من! آج کی صحبت صرف دس منٹوں کی اور باقی رہ گئی ہے۔ عزیزانِ من! یہ روشنی ایسی قیمتی نہ تھی جس کے ملنے پر نعرۂ تکبیر بلند کرو۔ ہاں اگر ایمان کی روشنی مل گئی ہو تو اس کے لئے جس قدر چاہو نعرۂ تکبیر بلند کرو۔ اگر آپ خاموشی سے کام لیں تو آج کی صحبت چند منٹوں میں ختم ہو جائے گی۔ بہر حال یہ ضروری مسئلہ تھا۔ اب اس کا اجمالی ذکر بھی آج کی صحبت میں ملتوی رکھتا ہوں۔ انشاء اللہ بشرط زندگی توفیق الٰہی کل اور پرسوں کی صحبتوں میں بیان میں آ جائے گا۔

اگر حقیقتاً آپ کے قلب کے اندر وہ شوق معانی و ذوق عرفانی پیدا ہو گیا کہ آپ حق کی صدائیں سننے کے لئے اپنے سینوں کے اندر ایسی لازوال تشنگی رکھتے ہیں۔ بستر کی آرام دہ کروٹیں قربان کر دیں۔ رات بھر کی تکلیف اور اختر شماری تب بھی آپ اس صدا کے سننے کے لئے تیار ہیں تو میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس کے خرچ کرنے کے لئے یہ موقع نہیں ہے کہ بہت زیادہ دیر تک میری تقریریں سنیں بلکہ اس کے خرچ کرنے کا اصلی محل یہ ہے کہ اللہ کے عشق میں، اس کے اتباع میں، اس کی پیروی میں، اس کی راہ میں سب چیز قربان کرنے کے لئے اپنے شوق دکھلاؤ۔ اپنے دل کے جذبات کو دکھلاؤ۔ تاہم میں آپ کے ذوق و شوق کا معترف ہوں۔

(تحریری خطبۂ صدارت کے سننے کے وقت لوگوں میں ایک مرتبہ
شور ہوا۔ اس پر حضرت مولانا نے پبلک کو سختی سے متنبہ کیا تھا اس
کے متعلق یہاں بیان معذرت ہے۔)

اور ساتھ ہی اس امر کی بھی آپ سے معافی چاہوں گا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی خطبۂ صدارت کے اوراق سنائے جا رہے تھے۔ تو موضوع روکھا پھیکا تھا۔ اور کچھ طرزِ بیان روکھا پھیکا۔ اگرچہ میرے عزیز سرسری طور پر اُسے دیکھ چکے تھے۔ پڑھنے میں بھی رکاوٹ ہوئی اور پبلک میں شور ہوا۔ مجھے مجبور ہو کر اس لب و لہجہ میں کہنا پڑا اور علی الخصوص جب کہ ایسے بزرگوں کا مجمع موجود ہے میں اس لب و لہجہ کا عادی نہیں ہوں۔ مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ایک حقیقی صورت کے احساس نے مجھ کو مجبور کیا کہ اس لب و لہجہ کو اختیار کروں۔

ہماری مجلسوں میں سب سے بڑا جو جائز مطالبہ ہے۔ قولاً و شرعاً ایک نظام ہے۔ انضباط ہے۔ صبر ہے۔ اگر ہم میں اس وقت اتنا صبر پیدا نہیں ہوا ہے۔ کہ ہمارے چند ہزار نفوس موجود ہیں اگر وہ چیز اُن کے سامنے آتی ہے اور اُن کو بتلایا گیا ہے کہ وہ سکون کے ساتھ سنیں تو یقیناً ہمارے اندر اتنا صبر اور قاعدہ ہونا چاہیئے۔ اور اُن لوگوں کی اطاعت کا جذبہ ہونا چاہیئے جن کو ہم مستحق اطاعت سمجھتے ہیں۔ مان لو کہ یہ چیز تمہارے لئے کڑوی کسیلی تھی۔ لیکن اگر آدھ گھنٹہ کے لئے تم اتنی تلخی گوارا نہیں کر سکتے تو اللہ کے راستہ میں قربانی کی تلخی کیسے گوارا کرو گے۔ وہ ہنگامہ جو بار بار گزرتا تھا میری طبیعت کو ناگوار گزرا اور اس لب و لہجہ میں آپ کو مخاطب کیا۔ جس کا میں عادی نہیں ہوں۔ اگر کسی عزیز کو ناگوار گزرا ہو تو معافی چاہتا ہوں، وقت بھی زیادہ ہو چکا ہے اس لئے آج کا جلسہ ختم کیا جاتا ہے۔

میں علمائے کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کا حسنِ ظن میرے لئے توشۂ آخرت ہوگا ✦

صدارتی خطبہ

صوبائی بنگال خلافت کانفرنس

۲۸-۲۹ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

برادران و بزرگان ملک و ملت!

آپ کے صوبے کی یہ پہلی خلافت کانفرنس ہے جس کی صدارت کی عزت مجھے دی گئی ہے۔ آپ کی کمیٹی کے معزز ارکان میں سے ہر رکن یقیناً اس بات سے واقف ہوگا کہ اس قسم کی رئیسانہ اور رسمی حیثیت کا اختیار کرنا میری زندگی میں سب سے پہلا واقعہ ہے۔ اور اس طریق عمل سے مجھے روگرداں و منحرف ثابت کرتا ہے، جس پر نہایت اصرار کے ساتھ قائم رہنے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہوں۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں جب کہ میری موجودہ پبلک زندگی کا بالکل ابتدائی عہد تھا۔ مجھے موقع ملا کہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے ایک مذہب عمل قرار دے لوں۔ خدمت ملک و ملت کے دشت ناپیداکنار کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے اصول عمل کی مختلف راہیں میرے سامنے تھیں اور میں چاہتا تھا کہ یہ راہ سفر اُس دانشمند مسافر کی طرح ہو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کر لیا ہے۔ اُس طوفانی کشتی کی طرح نہ ہو جس نے ہوا کے جھونکوں اور سمندر کی موجوں پر اپنے سفر کا رُخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دی ہے۔ اُس وقت اپنے مذہب عمل کی نسبت جن اصولی مسائل کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔ اُن میں ایک خاص مسئلہ یہ بھی تھا کہ اپنی زندگی کے ہر حصے میں ہمیشہ مجلسوں کی صدارت۔ انجمنوں کے عہدوں اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمی منصبوں سے یک قلم کنارہ کش رہوں گا۔

یہ فیصلہ دراصل میرے ایک بنیادی اور دینی اعتقاد کا قدرتی نتیجہ تھا۔ میں نے اپنے لئے جو راہ عمل منتخب کی تھی وہ دعوت و تبلیغ کی راہ تھی۔ موجودہ زمانے کی مصطلحہ لیڈرشپ کی راہ نہ تھی۔ میرے سامنے اتباع و اقتداء کے لئے نوع انسانی کے اُن مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے پکارے گئے ہیں۔ اور جن کے طریق عمل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اقوام عالم کو دنیا میں مل سکتی ہے۔ قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا
میں نوع انسانی کی ہدایت و سعادت کے لئے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ہو۔ وہ
اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے ظلم و جور اور ضلالت و طغیان سے اس کی زمین پاک ہو جائے
ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیت دنیا میں پھیل جائے اور اللہ کا وہ ہمہ گیر قانون
عدل جو تمام کائنات ہستی میں سورج سے لے کر زمین کے ذرات تک نافذ و قائم ہے اور جس کو
قرآن اپنی زبان میں صراط مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے زمین کے گوشے گوشے اور چپے
چپے میں جاری و ساری ہو کر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت زار بنا دے۔

لغت کے اعتبار سے یہ اطلاق اس لئے ہوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد
خلیفہ ہوا وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا اور اس
کے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی اور ہر خلیفہ سابق کا قائم مقام۔ ظہور اسلام کے بعد
جب ارضی خلافت کے وارث مسلمان ہوئے تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفہ اللہ صاحب و شارع
اسلام تھا یعنی محمد رسول اللہ صلعم اور پھر ان کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ اسلام کی مرکزی حکومت
آئی۔ وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ہوئے۔ اس لئے ان پر خلیفہ کا اطلاق ہوا اور
اب تک ہو رہا ہے۔

یہ زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ہوتی رہی اور
وہ دنیا میں اللہ کی طرف سے دین حق کے خدمت گزار رہے۔ آیات ذیل میں اسی خلافت
کا ذکر ہے۔ وھو الذی جعلکم خلائف الارض۔ ویستخلف ربی قوما غیرکم۔

وہی پروردگار عالم ہے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی۔

اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو دے دیگا۔

ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون

پھر ان قوموں کے بعد ہم نے تم کو ان کی جگہ دی تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے
ہیں۔ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح۔ اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لا یشرکون بی شیئاً و من کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیئے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ انھیں زمین کی خلافت دیگا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جاچکی ہے اور ایسا کریگا کہ اُن کے لئے ان کا دین حق قائم ہو جائیگا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی و کامرانی سے بدل دی جائیں گی۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور قلت تعداد اور بے سر و سامانی حال کے ساتھ دشمنوں کے پے درپے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی ہتھیار اپنے جسم سے دور نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا ما یأتی علینا یوم نامن فیہ و نضع عنا السلاح ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفی کے ساتھ صبح و شام بسر کرتے اور ہتھیار اپنے جسم سے الگ کر سکتے۔ ابو العالیہ راوی ہیں کہ اس پر مندرجہ صدر آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ مضطرب نہ ہوں۔ ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے جبکہ خوف کی جگہ امن ہوگا مظلومی و بیچارگی کی جگہ فرمانروائی و کامرانی ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمین کی خلافت انہی کے قبضۂ اقتدار میں آجائیگی (تفسیر طبری جلد ۱۸ - صفحہ ۱۲۲)

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز خلافت ہے وہ خلافت فی الارض ہے یعنی زمین کی حکومت و تسلط پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اُسے حاصل نہ ہو۔ وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ہے جس کے لئے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافی ہو۔ وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائی ہے۔ اسلام کے قانون میں دینی اور روحانی اقتدار خدا اور رسول کے سوا کوئی انسانی وجود نہیں رکھتا۔ ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا ہے اور اس کا مٹانا اس کے ظہور کا پہلا کام تھا اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ اور ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جس کو آج کل کی زبان میں ایک نازک تشبیہ کے ساتھ ری پبلک کہہ سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔

دوسرا سلسلہ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت و بادشاہت کا تھا جب کہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے مل کر ایک نیا دور شروع کر رہی تھیں۔ یہ سلسلہ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلہ میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا لیکن خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہو گئے تھے۔ خلفاء بنو امیہ سے لے کر آج تک جو سلسلہ خلافت اسلامیہ جاری ہے۔ وہ اسی دوسری قسم میں داخل ہے۔ احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبہ طریق ہدایت و نبوت خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبہ سیاست و شخصیت بادشاہت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے "الخلافۃ بعدی ثلاثون عاما ثم ملک بعد ذالک" (اخرجہ اصحاب السنن) اور حدیث ابوہریرہ "الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام" ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلائے گئے ہیں۔ "نبوۃ و رحمۃ" "ثم خلافۃ و رحمۃ" "وفی لفظ خلافۃ علی منہاج النبوۃ ثم یکون ملک عضوض" (رواہ البزار و قال السیوطی حسن) امیر معاویہ نے اسی نسبت کہا تھا۔ ہم نے عہد ملوکی پر قناعت کر لی۔

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوئے۔ عہد نبوت و رحمت، خلافت و رحمت، بادشاہی و فرمانروائی۔ پہلا دور آنحضرت صلعم کی وفات پر ختم ہو گیا دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزو تھا (جیسا کہ سلسلۂ دعوت اور تکمیل کاروبار شرائع میں ہمیشہ سنت اللہ رہی ہے) جو حضرت امیر علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سے مجرد عہد بادشاہی و استبدادی شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علیحدہ علیحدہ احادیث میں بتلائی گئی تھیں اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں۔ نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی کالحصیر عوداً عوداً جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئی اور جس قدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی۔ اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت رحمت کی

سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امامت و خلافت کبریٰ کے معاملہ ہی میں نہیں ہوئی۔ بلکہ قوام و نظام امت کے مبادیات و اساسات سے لے کر حیات شخصی و انفرادی کی اعتقادی و عملی جزئیات تک ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔ فتنہ و فساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے ہوئے تھی۔ جو بقول حضرت حذیفہؓ اعلم الصحابۃ بالنفاق حضرت عمرؓ کا وجود تھا جو گویا بنیان مرصوص تھی۔ وہ سیلاب عظیم امنڈا اور پھر کوئی سد و بند اس کی راہ نہ روک سکا۔ اسی سیلاب کو حضرت حذیفہؓ کی روایت میں التی تموج کموج البحر (رواہ البخاری) سے تعبیر کیا گیا تھا یعنی سمندر کی موجوں کی طرح اس کی موجیں اٹھیں گی۔ سو وہ اٹھیں اور دورِ خلافت و رحمت اور خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ کی عظیم الشان عمارت اس کے تلاطم اور طغیان میں آناً فاناً بہہ گئی۔

احادیث میں نہایت کثرت کے ساتھ اسلام کے ایک آخری دور کی بھی خبر دی گئی ہے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دورِ اول کے خصائص تازہ کر دیگا اور جس کا حال یہ ہوگا کہ لا یدری اولہ خیر ام آخرہ۔ نہیں کہا جا سکتا کہ امت کی ابتدا زیادہ کامیاب تھی یا اس کا اختتام؟ یہی وہ آخری زمانہ ہوگا جب اللہ کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا ہو کر رہے گا کہ لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون دین اسلام اور اس کا رسول اس لیے آیا تھا تاکہ تمام دینوں اور قوموں پر بالآخر غالب ہو کر رہے (کیونکہ آخری غایۃ بقا صرف اصلح کے لئے ہے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام ہی ہے) یہی وجہ ہے کہ مایوسیوں اور نامرادیوں کی اس عالمگیر تاریکی میں بھی جو آج چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ایک مومن قلب کے لئے فتح و اقبال کی روشنیاں برابر چمک رہی ہیں۔ بلکہ جس قدر تاریکی بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ طلوع صبح کا وقت قریب آ جاتا ہے ان موعدھم الصبح الیس الصبح بقریب

تفاوت ست میانِ شنیدنِ من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پیدا کر سکتی۔ یہ کام صرف اللہ ہی کی توفیق و رحمت اور اس کی وحی و تنزیل کا ہے کہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنا دے لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم اگر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان بکھرے ہوئے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتھ جوڑ نہیں سکتے تھے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے جس نے متفرق دلوں کو اکٹھا کر دیا۔

اور اسی لئے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت و وحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اور اسی لئے یہ نتیجہ شریعت سے بغی و عدوان اور اس کو بالکل ترک کر دینے کا ہے فما اختلفوا حتی جاءھم العلم۔ وآتیناھم بینات من الامر فما اختلفوا حتی جاءھم العلم بغیا بینھم ولا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاءھم البینات

اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو "جاہلیت" اور "حیات جاہلی" سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ آگے بالتفصیل آئیگا من فارق الجماعة فمات فمیتة الجاھلیة وغیر ذلک اور اسی بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود ہیں جن میں نہایت شدت کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا۔ اگرچہ امیر غیر مستحق ہو نا اہل ہو۔ فاسق ہو ظالم ہو کوئی ہو۔ بشرطیکہ مسلمان ہو اور نماز قائم رکھے (ما اقاموا الصلوٰۃ) اور ساتھ ہی بتلا دیا گیا کہ جس شخص نے جماعت سے علیحدگی کی راہ اختیار کی تو اس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کر دیا یعنی گمراہی اور ٹھوکر اس کے لئے ضروری ہے۔ زنجیر کا توڑنا مشکل ہوتا ہے لیکن کوئی کڑی زنجیر سے الگ ہوگئی ہو تو ایک چھوٹے سے حلقہ کا حکم رکھتی ہے جس کو انگوٹھے سے مسل دیا جا سکتا ہے حضرت عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرت صلعم سے روایت کرتے علیکم بالجماعة فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد دوسری روایت میں ہے فان الشیطان مع الواحد یعنی جماعت سے الگ نہ ہو ہمیشہ جماعت

بن کر رہو۔ کیونکہ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا تو شیطان اس کا ساتھی ہو گیا۔ وہ انسان بھی مل کر رہیں تو شیطان ان سے دور ہے یعنی اتحادی و جماعتی قوت ان میں پیدا ہو گئی اب وہ راہِ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔ یہ الفاظ مشہور خطبہ جابیہ کے ہیں جو عبد اللہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار وغیرہم سے مروی ہے اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا۔ اسی طرح حدیث متواتر بالمعنی علیکم بالسواد الاعظم اور فانہ من شذ شذ فی النار اور ید اللہ علی الجماعۃ اور لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ۔ اور کما قال اور خطبہ حضرت امیر۔ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔ الا من دعا الی ہذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ہذہ وغیرہ وغیرہ

اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ آخری قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھی منقول ہے خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہو کر رہو۔ جو جماعت سے الگ ہوا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ افراد تباہ ہو سکتے ہیں مگر ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ہو سکتی۔ اس پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ کبھی ایسا ہونے نہ دیگا کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہو جائے۔

اسی طرح نماز کی جماعت کی نسبت ہر حال میں التزام پر زور دیا اور اگرچہ امام نا اہل ہو لیکن سعی قیام اہل کے ساتھ التزام جماعت کو بھی جاری رکھنا حتی کہ صلوا خلف کل بر و فاجر تو اس میں بھی یہی حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتی زندگی ہے انفراد و فرقہ ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے۔ پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہونا چاہیے۔

اور یہی سبب ہے کہ سورہ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھلائی گئی اس میں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی اھدنا الصراط المستقیم فرمایا اھدنی نہیں کہا گیا یہ اسی لئے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے۔ ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور

اور اعمال بھی صرف اسی لئے ہے تاکہ ان کے اجتماع و تالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو
اور اسی لئے اس دعا میں کہ حاصل ایمان و خلاصہ قرآن و عصارہ اسلام ہے متکلم جمع کا صیغہ
آیا نہ کہ واحد کا اور اسی لئے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت جو امتیازی دعا سکھلائی
گئی وہ بھی بصیغۂ جمع آئی۔ اگرچہ مخاطب واحد ہو یعنی "السلام علیکم" "السلام علیک" نہیں قرار
دیا گیا۔ اسی طرح نماز سے باہر آنے کے لئے بھی "السلام علیکم" بصیغۂ جمع رکھا گیا۔ واحد کا
صیغہ استعمال نہیں کیا گیا علت اس کی یہی ہے نہ وہ لوگوں نے سمجھی

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و
ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے۔ نماز کی جماعت خمسہ اور جمعہ و عیدین
کا حال ظاہر ہے۔ حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں۔ زکوٰۃ کی بنیاد ہی اجتماعی زندگی کا قیام اور
ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دے دینا ہے۔ علاوہ بریں اس کی
ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے۔ یعنی ہر فرد کو
اپنی زکوٰۃ خود خرچ کر دینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بدقسمتی سے آج مسلمان کر رہے ہیں
اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے بلکہ مصارف زکوٰۃ متعین کر کے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ
کی رقم امام و خلیفہ وقت کے سپرد کر دے۔ پس اس کے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے،
نہ کہ انفرادی۔ یہ امام کا کام ہے کہ اس کا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو
مصرف زیادہ ضروری ہو اسی کو ترجیح دے۔ ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا تو جس طرح
جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا۔ زکوٰۃ کا بھی کرنا تھا۔

اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے جب اُن تمام مشہور احادیث پر غور کیا
جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے مثل المومنین فی توادھم و
تعاطفهم كمثل الجسد الواحد۔ اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى
(صحیحین) اور المسلم للمسلم كالبنيان يشد بعضه بعضا (بخاری)

یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اس کے مختلف اعضا۔ ایک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے۔ لوگ اسباب تنزل امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اسی ایک چیز کا نتیجہ ہیں۔ اس ایک حقیقت کو کتنے ہی مختلف ناموں سے پکار لو، مگر اصلی علت اس کے سوا کوئی نہیں۔

قوموں کے انتشار کا دور ساری چیزوں پر طاری ہوا۔ لیکن یہاں صرف ایک ہی پہلو واضح کرنا مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسلامی طاقت کی اصل شخصیت تھی۔ آپ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو صرف ایک داعی شریعت و حامل وحی ہی کی جگہ خالی نہیں ہوئی بلکہ ان ساری قوتوں، سارے منصبوں، ساری حیثیتوں اور ہر طرح کے نظری و عملی اختیارات و قوی کی، جو آپ کی شخصیت مقدسہ میں اکٹھی تھیں اور جن کا آپ کے تنہا وجود مقدس میں جمع ہونا اسلام کی شرعی و دینی خصوصیات میں سے تھا۔ اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف ایک اخلاقی معلم ہی نہ تھا اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح محض ایک جہانگیر اور عالم ستان شہنشاہ۔ اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جہانبانی سے الگ نہیں رکھا وہ تو یہ سکھانے آیا تھا کہ دین و دنیا دو نہیں ایک ہی چیز ہیں اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں ہے بلکہ سچی حکومت اور خدا کی مرضی کے مطابق سلطنت وہی ہے جس کو شریعت نے خود پیدا کیا ہو۔ پس اسلام کے داعی کا وجود ایک ہی وقت میں ان تمام حیثیتوں اور منصبوں کا جامع تھا جو ہمیشہ دنیا کی صدہا مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رہی ہیں۔ وہ اللہ کا پیغمبر تھا، شریعت کا معلن تھا، امت کا بانی تھا، ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا۔ وہ اگر تپوں اور چھال سے پٹی ہوئی مسجد کے منبر پر وحی الٰہی کا ترجمان اور انسانی سعادت و ہدایت کا واعظ تھا، تو اسی کے صحن میں بیٹھ کر خراج تقسیم کرنے والا اور فوجوں کو میدان جنگ میں بھیجنے کے لئے سپہ سالار لشکر بھی تھا۔ وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زندگی میں گھروں کا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھ ہی بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھی روکتا اور

تدکی گمنامیوں میں سے ایک فاتح حکمران کی طرح نمایاں بھی ہوتا تھا۔ غرضکہ اس کی ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے اور اسلام کا نظام دینی یہی تھا کہ یہ ساری قوتیں ایک ہی فرد میں جمع رہیں۔

جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو خلفائے راشدین کی خلافت خاصہ اسی اجتماع قوی و مناصب پر قائم ہوئی اور اسی لئے اسے "منہاج نبوت" سے تعبیر کیا گیا یعنی یہ نہایت ٹھیک ٹھیک ہر لحاظ اور ہر پہلو سے شخص جامع نبوت کی سچی قائم مقامی اپنے اندر رکھتی تھی۔

منصب نبوت مختلف اجزاء نظم و عمل سے مرکب ہے، از اں جملہ ایک جزو وحی و تنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ہے یعنی قانون وضع کرنا اور اس کے وضع و قیام کی معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت۔ اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپ کے وجود پر ختم ہو چکی تھی اور قیامت تک کے لئے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ہو چکا تھا جب نعمت کامل ہو گئی تو پھر کامل چیز ہی کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے۔ اس کی کسی دوسری چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

لیکن منصب نبوت اس اصلی جزء کے ساتھ بہت سے طبعی اجزاء پر بھی مشتمل تھا اور ضرور تھا کہ ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے۔ اس چیز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے۔ حضرت عمر کے لئے محدث (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا۔ علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا۔ مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزو قرار دیا۔ لم یبق الا المبشرات۔ حدیث تجدید بھی اسی مسئلہ میں داخل ہے۔ پس خلفائے راشدین کو جو نیابت پہنچی اس میں وحی و تشریع کی قائم مقامی تو نہیں ہو سکتی تھی لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کی نیابت داخل تھی۔ داعی اسلام کا وجود نبوت کے ساتھ خلافت ارضی، حکومت و سلطنت، نظام و قوام سیاست، قیادۂ فوج، حرب، فتح و عمران ممالک، ریاست مجالس شوریٰ

[illegible]

کہ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین اور اسی لئے وعضوا علیہا بالنواجذ کے حکم میں صرف
سنت نبوت نہیں بلکہ خلافت راشدہ و خاصہ کی سنت بھی داخل ہوئی اور شرح اس سرالہی کی
بہت طولانی ہے۔ یہاں محض اشارات مطلوب ہیں۔

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دی گئی تھی، اجتماع و ائتلاف کی یہ حالت حضرت علی علیہ السلام
پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد سے اشتات و انتشار کا دور شروع ہوا۔ از انجملہ مرکزی قوتوں اور منصبوں
کا انتشار و اشتات تھا جس نے فی الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی و اصلی درہم برہم کر دیا۔ خلافت
خاصہ کے بعد یہ ساری یکجا قوتیں الگ الگ ہو گئیں۔ ایک وجود کی جگہ مختلف وجودوں میں ان
کا ظہور اور نشوونما ہوا۔ حکومت و فرمانروائی کا ٹکڑا الگ ہو کر محض پادشاہی کی شکل میں آگیا۔
اسی کی طرف اشارہ تھا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم ملک عضوضا تھی اس کے بعد صرف
پادشاہی رہ گئی۔ اجتہاد و قضاء شرعی کا جز خلافت سے الگ ہوا تو مجتہدین و فقہا کی ایک
الگ جماعت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے یہ کام سنبھالا۔ اسی طرح تعلیم و تربیت روحانی کے کاروبار
سے نظام حکومت بالکل الگ ہو گیا۔ پہلے خلافت کی ایک ہی بیعت تمام مقاصد کی کفیل تھی۔
اب خلیفہ کا وجود محض پادشاہی کے لئے اور فقہا کا محض استنباط احکام و مسائل کے لئے رہ گیا۔ تو
تزکیہ نفوس اور ارشاد قلوب کے لئے ایک دوسری جماعت مستقلاً قائم ہوئی جو بیعت توبہ و
ارشاد ہوئی اور اس طرح اصحاب طریقت و تصوف کی بنیاد پڑی۔ پہلے صرف ایک وجود تھا وہ
پادشاہ مجتہد مرشد قاضی القضاۃ سپہ سالار جنگ میر عدل و احتساب سب کچھ تھا۔ اب یہ
ساری قوتیں الگ الگ ہو گئیں۔ حکومت و فرمانروائی الگ ایک وجود میں آئی، اجتہاد و تفقہ کے
لئے دوسرا وجود مرکز بنا، قضا کے لئے تیسرا، ارشاد و تزکیہ قلوب کے لئے چوتھا و علم جرا۔ غرضکہ
عہد اجتماع قویٰ و مناصب کے بعد دور انتشار قویٰ و مناصب شروع ہو کر رفتہ رفتہ کمال ظہور و بلوغ
تک پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ یہ تمام قوتیں اس طرح ایک دوسرے سے بیگانہ و مخالف ہو گئیں کہ گویا کبھی ایک ہی
وجود میں جمع تھیں۔ یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بھی متفق نہ رہ سکیں۔ صرف اختلاف تعدد و
تنوع ہی نہیں رہا بلکہ اختلاف تضاد کی شکل پیدا ہو گئی۔ یہی سب سے بڑی مصیبت و ہلاکت تھی جو

امت پر طاری ہوئی۔ مسلمانوں کے تنزل و ادبار کی اصلی علت یہ ہے وہ افسانے نہیں ہیں
جن میں تم سرمست ہو۔ افسوس کہ سطحی و جزئی حالات کے استغراق نے اصلی اسباب و علل پر
غور کرنے کی انہیں کبھی مہلت نہ دی اور بحث و نظر میں یورپ کی تقلید سے آزاد ہو سکے کہ خالص
اسلامی فکر و نظر سے اسباب ترقی و تنزل پر تدبر کرتے۔

غرضیکہ خلافت راشدہ کے بعد جو سلسلۂ خلافت قائم ہوا وہ خواہ قریشی رہا ہو یا غیر
قریشی، محض ملوکی و بادشاہی کا سلسلہ تھا اور بجز چند مستثنیٰ اوقات کے (جیسا کہ عہد حضرت عمر بن
عبد العزیز) یہ نیابت نبوت کے اور تمام اجزاء سے یک قلم خالی رہا۔ منصب بٹ چکے تھے
وتین منتشر ہو چکی تھیں۔ البتہ جو انقلاب سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں ہوا اور جس کا نتیجہ
یہ نکلا کہ سلاطین عثمانیہ کی خلافت طریق استبدادی و شخصی طریق سے طریق شوری میں تبدیل
ہو گئی۔ سو بلاشبہ خلافت راشدہ کی طرف عود و رجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا جس کے لئے شوری
اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلی شرط ہے لیکن ان جزئی مستثنیات کے علاوہ عام حالات [illegible]
ہر دور اور ہر سلسلے کے وہی رہے جو ایک جامع لفظ "ملک عضوض" میں بتلا دیئے گئے تھے اور
اس میں کبھی کوئی نمایاں اور پائدار تبدیلی نہ ہوئی۔

اطاعت خلیفہ و التزام جماعت:

اس اجمالی تمہید کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے یعنی اسلام کا نظام
شرعی جو ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت کی معرفت اور اطاعت پر اسی طرح مجبور کرتا ہے جس طرح اللہ
اور اس کے رسول کی اطاعت پر۔ جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی حکم نہ دے
اسلام کا قانون اس بارے میں اپنی تمام شاخوں اور تعلیموں کی طرح فی الحقیقت کائنات ہستی
کے قدرتی نظام کا ایک جزء اور قوام ہستی کی زنجیر فطرت کی ایک قدرتی کڑی ہے کائنات کے
ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی قدرت و سنت ایک خاص نظام پر کار فرما ہے جس کو
"قانون مرکز" یا "قانون دوائر" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یعنی قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے
بقاء و قیام کے لئے ہر جگہ اور ہر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھی ہے کہ کوئی ایک وجود

بمنزلہ مرکز کے ہوتا ہے اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کی شکل میں اس کے چاروں طرف وجود رکھتے
ہیں اور پورے دائرہ کی زندگی اور بقا صرف اس مرکزی وجود کی زندگی اور بقا پر موقوف ہوتی
ہے۔ اگر ایک چشم زدن کے لئے بھی دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہو جائیں یا مرکز کی اطاعت
و انقیاد سے باہر ہو جائیں تو معاً نظام ہستی درہم برہم ہو جائے اور دائرہ کی اکیلی ہستیاں مرکز
سے الگ رہ کر بھی قائم و باقی نہ رہ سکیں یہی وہ حقیقت ہے جس کو بعض اصحاب اشارات نے
یوں تعبیر کیا ہے کہ "الحقیقۃ کالکرۃ" اور صاحب فتوحات نے کہا کہ "دائرہ قاب قوسین" ہے

یہ قانون مرکزیہ دوائر نظام ہستی کے ہر جز اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جا سکتا ہے
یہ نظام شمسی جو ہمارے اوپر ہے ستاروں کی یہ گنجان آبادی کا یہ صحرائے بےکنار، زندگی اور
حرکت کا یہ محیر العقول طلسم کیا ہے؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے۔ اسی قانون مرکزیہ پر تمام
سیاروں کے حلقے اور دائرے ہیں۔ ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزی نقطہ ہے۔ تمام
ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کر رہے ہیں اور ہر دائرہ کی ساری زندگی اور بقا صرف مرکز
شمسی کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم خود ہماری زمین بھی
ایک ایسے ہی دائرہ کی ایک کڑی ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف اور انقیاد میں مشغول ہے
ہر سیارہ کے طواف و دوران کے لئے حکمت الٰہی نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ
قرار دیا ہے۔ وہ اس سے باہر نہیں جا سکتا۔ سب محکوم ہیں: وله اسلم من فی السموات والارض
اور ان اللہ یسجد له من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم خدا کے ٹھہرائے
ہوئے قانون کے مطابق اپنی اپنی جگہوں میں کام کر رہے ہیں لا الشمس ینبغی لها ان تدرک
القمر ولا اللیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون

قانون مرکزیہ کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا۔ اب اس کے بعد جس قدر نیچے اترتے جائیے
اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لے کر زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالتے جائیے
ہر جگہ زندگی اور بقا اسی قانون سے وابستہ نظر آئیگی۔ عالم نباتات میں درخت کو دیکھو۔ اس کی ایک
مجتمع وحدت کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے۔ ڈالیاں ہیں شاخیں ہیں پتے ہیں پھول ہیں لیکن

ترک کر دینے کے بعد تمام دائرہ اعمال منہدم ہو جاتا ہے "فمن اقامھا اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین" اور اسی لئے یہ بات ہوئی کہ "کان اصحاب رسول اللہ صلعم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ" (ترمذی) یعنی صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کر دینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو۔ اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضی مرکز سعادت ومادی حج کا کعبۃ اللہ قرار پایا "جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس" "قیاماً للناس" پر غور کرو اور چونکہ یہ مرکز ٹھہرا۔ اس لئے تمام دائرہ کا رخ بھی اسی طرف ہوا خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں لیکن ان کا منہ اسی طرف ہونا چاہئے "وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ"

پھر جس طرح شخصی اور اعتقادی وعملی زندگی کے لئے مراکز قرار پائے۔ ضرور تھا کہ جماعتی اور ملی زندگی کے لئے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا۔ لہٰذا وہ مرکز بھی قرار دے دیا گیا تمام امت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹھہرایا۔ اس کی معیت۔ اس کی رفاقت۔ اس کی اطاعت۔ اس کی حرکت پر حرکت۔ اس کے سکون پر سکون۔ اس کی طلب پر لبیک۔ اس کی دعوت پر انفاق جان ومال ہر مسلمان کے لئے فرض کر دیا گیا۔ ایسا فرض جس کے بغیر وہ جاہلیت کی ظلمت سے نکل کر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آ سکتا۔ اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام خلیفہ اور امام ہے اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہلتا یعنی کتاب وسنت اسی طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ اور اس کے رسول کی "یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا"

مسلمانو! اطاعت کرو اللہ کی۔ اس کے رسول کی اور تم میں جو اولوالامر ہو۔ اس کی۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم مختلف ہو جاؤ تو چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹو اور اس کے فیصلے پر متفق ہو جاؤ۔

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی۔ رسول کی۔ مسلمانوں میں جو اولوالامر ہو اس کی۔ اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔ رسول کی اطاعت

سے مقصود سنت قولی و فعلی ہے۔ باقی رہی اطاعت اولو الامر تو نہایت قوی و روشن وجوہ ہیں کہ اولو الامر سے مقصود مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا و نظام امت رکھنے والا اور تمام اجتہادی امور میں صاحب حکم و سلطان ہے اولاً بحکم القرآن یفسر بعضہ بعضا اولوا الامر کی تفسیر خود قرآن ہی کے اندر تلاش کرنی چاہئے۔ اسی صورت میں آگے چل کر یہ لفظ دوبارہ آیا ہے واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔

اور جب کوئی امن یا خوف کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو بلا سوچے سمجھے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اللہ کے رسول کی طرف اور ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے جو ان میں اولو الامر ہیں تو فوراً اصلیت کھل جاتی اور وہ اس خبر کے سچے جھوٹے ہونے کا پتہ لگا لیتے۔

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا ہے جب امن و خوف یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کی افواہیں ملک میں پھیلتی ہیں اور بے اصل خبروں کی اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے ایسی صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کی وجہ سے عہد نبوی میں بھی پیش آ جاتی تھیں۔ پس فرمایا کہ جب کوئی افواہ سنو تو پہلے اللہ کے رسول اور اپنے اولو الامر تک پہنچاؤ تاکہ وہ اس کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کر لیں اور خبر کی نوعیت اور راویوں کی حالت پر غور کر کے صحیح نتائج کا استنباط کریں۔ ایسا نہ کرو کہ جہاں کوئی افواہ سنی۔ فوراً اس پر یقین کر لیا۔ اور لوگوں میں پھیلانا شروع کر دیا۔

اب غور کرنا چاہئے کہ اس آیت میں اولو الامر سے مقصود کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ یہ ظاہر ہے کہ ذکر امن و خوف کے حالات کا ہے یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا۔ ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک ہی سے ہو سکتا ہے۔ علماء و فقہا سے نہیں ہو سکتا۔ معاملہ نظم ملک و قیام امن کا ہے۔ استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نہیں ہے۔ پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اولو الامر سے مقصود وہی لوگ ہیں۔ جن کے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق ہوتا ہے اور جو ان خبروں کی تحقیق کر سکتے ہیں جن کا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑ سکتا

ہے یعنی ارباب حکومت و امارت۔

ثانیاً۔ کتاب و سنت اور صدر اول کے آثار عربیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "امر" جب ایسی ترکیب کے ساتھ بولا جائے جیسی کہ یہاں ہے تو اس کا اطلاق ہمیشہ حکومت و سلطنت ہی کے معنوں پر ہوتا ہے۔ احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ہے کہ ایک صاحب نظر کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ نیز لغت کی بنا پر بھی ظاہر ہے کہ "امر" کے معنی حکم کے ہیں اور "اولی الامر" کے معنی امام بخاری نے "ذوی الامر" کے کئے ہیں یعنی "حکم والا" اور معلوم ہے کہ صاحب حکم وہی ہو سکتا ہے جو صاحب حکومت ہو۔

ثالثاً۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کی نسبت اتری۔ وہ امیر جماعت کی اطاعت ہی کا معاملہ تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے عن ابن عباس نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدی اذ بعثہ النبی صلعم فی سریۃ اور امام طبری نے تفسیر میں ایک روایت درج کی ہے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کی باہمی نزاع کے بارے میں اتری۔ خالد امیر تھے اور عمار نے بلا ان کے حکم کے ایک شخص کو مزدوری پر رکھ لیا تھا۔ نزلت فی قصۃ جرت لعمار مع خالد وکان خالد امیرًا فاجار عمار رجلا بغیر امرہ فتخاصما دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ امیر کی اطاعت و عدم اطاعت کا تھا۔ نہ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتاء کا۔

رابعاً۔ اکثر اقوال مرویہ صحابہ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ہوتی ہے بلکہ صدر اول میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھی۔ بہت سی موشگافیاں جو پیدا کی گئی ہیں۔ سب بعد کے مفسرین کی طبعزاد ہیں۔ حافظ ابن حجر نے عیینہ کا قول نقل کیا ہے۔ سالت زید بن اسلم عنہا ولم یکن بالمدینۃ احد یفسر القرآن بعد محمد بن کعب مثلہ فقال اقرأ ما قبلہا تعرف۔ فقرأت: ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ فقال ہذہ فی الولاۃ یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھ کر قرآن کا کوئی مفسر نہ تھا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں

نے کہا۔ اس آیت سے ماقبل آیت پڑھو۔ میں نے پڑھا۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ہیں یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ہو رہا ہے پس اولوالامر سے مقصود وہی ارباب اقتدار ہیں جو حکومت رکھتے ہوں۔ طبری نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ اور میمون بن مہران وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ ہم "الامرا" اور علامہ ابن حزم نے ان تمام صحابہ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے۔ تو ۳۱ سے زیادہ ثابت ہوئے۔ باقی رہا بعض صحابہ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہل علم و نظر ہیں مثلاً جابر بن عبداللہ کا قول کہ ھم اھل العلم والخیر اور مجاہد و عطا والوالعالیہ کا قول کہ ھم العلماء تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دراصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت تو یہی تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب قیام شرعی اور علمی قوتوں سے مرکب ہو اور اس وقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑی تھیں۔ جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا وہ بدرجہ اولیٰ عالم و فقیہ بھی ہوتا تھا پس جن صحابہ و تابعین نے "اولوالامر" کی تفسیر میں علم و خیر کا ذکر کیا۔ انہوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی۔ گویا ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کا اولوالامر ایسے ہی افراد کو ہونا چاہئے جو اہل علم و خیر ہوں۔ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولوالامر سے مقصود علماء و فقہا کا مخصوص و متعارف گروہ ہے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا اور جس کا صدر اول کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ "ابوبکر و عمر" اس سے بھی یہی مقصود یہی ہے کہ اولوالامر مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہے جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

اصل یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کی باقاعدہ طوائف الملوکی قائم تھی اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا۔ اسلام کا جب ظہور ہوا تو اس نے جماعت اور امامت کے نظام پر زور دیا اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی مجبور کر دیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باہر نہ ہوں۔ قریش کی نسلی فطرت اس اطاعت کیلئے تیار

کے خلاف تھی۔ اسلئے خصوصیت کے ساتھ ان کو اس بات کا خوگر بنانا تھا۔ حافظ عسقلانی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے۔ و رجح الشافعی الاول واحتج بأن قریشا کانوا لا یعرفون الامارۃ ولا ینقادون الی امیر فامروا بالطاعۃ لمن ولی الامر ولذلک قال صلعم من اطاع امیری فقد اطاعنی

خامساً۔ تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے۔ کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور اس میں ابوہریرہ کی روایت درج کی ہے من اطاع امیری فقد اطاعنی جس نے میرے امیر کی اطاعت کی۔ اس نے خود میری اطاعت کی جس نے اس سے انکار کیا۔ اس نے خود مجھ سے انکار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام ہی کی اطاعت ہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔ فی ھذا اشارۃ من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی ان الآیۃ نزلت فی طاعۃ الامراء خلافاً لمن قال نزلت فی العلماء

سادساً۔ سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ امام ابن جریر طبری کی تفسیر ہے اور صحابہ و تابعین کی تفاسیر پر ان کا احاطہ نظر معلوم۔ انہوں نے بھی تمام اقوال نقل کرکے ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے۔

سابعاً۔ اس نکتہ پر نظر رہنی چاہئے کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں جس قدر اختلافات کی کثرت اور مذاہب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ہے وہ تمام تر متاخرین کی فلسفیانہ کاوش پسندی کا نتیجہ ہے جبکہ معقولات کے شیوع اور یونانیت کے غلبہ و احاطہ سے علوم دینیہ میں اس "تعمق" کی بنیادیں پوری طرح پڑ چکی تھیں جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ ھلک المتعمقون اور دلوں میں عجمیت کے ظہور، عربیت خالصہ و صالحہ کے فقدان اور علوم سنت کے ترک و ہجر نے اس معاملہ کو اور گہرا اور وسیع کر دیا ہے لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات یک قلم ناپید تھے۔ ہر آیت اور ہر لفظ کے ایک ہی صاف اور سادہ معنی سمجھے جو عربی لغت و محاورہ میں

قانون پر عمل کرانے والی قوت؟ اور ظاہر ہے کہ جو قوت نافذہ ہوگی۔ اس کی اطاعت عین قوتِ
مقننہ کی اطاعت ہوگی۔ ایک دہقانی تک جانتا ہے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی
اطاعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے بلکہ ایک سپاہی کی اطاعت بھی عین قانون اور
بادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور بادشاہ سے بغاوت کرنا
ہے۔ بھاری بحثیں اس لئے پیدا ہوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اہمیت پر نظر ڈالی گئی
اگر یہ حقیقت پیش نظر ہوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کے لئے ایک
مرکزی اقتدار ناگزیر ہے اور وہی امام اور اس کے نائب امراء ہیں تو اولی الامر کا مسئلہ بالکل
صاف تھا کسی کاوش و بحث کی ضرورت ہی نہ تھی فان تنازعتم سے یہ حقیقت بھی واضح
ہوگئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک
اربابا من دون اللہ میں داخل ہے۔ مسیحیت کا خلیفہ ارضی خلیفہ نہیں ہے۔ آسمانی و
دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ لیکن اسلامی خلافت
کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے۔ وہ صرف شریعت اور امت کی حفاظت
کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے۔ یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے۔ قوت مقننہ
اس کی ذات کو اصل شریعت اور اس کے احکام میں کوئی دخل نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ
الی اللہ والرسول نہ فرمایا جاتا یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس میں نزاع و اختلاف
پیدا ہو۔ تو پھر اس کے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقی کا۔
یعنی قرآن و سنت کا اور خود فیصلہ بھی اس کی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت
امت کا ہر فرد۔

یہی وجہ ہے کہ اطیعوا اللہ کے بعد پھر اطیعوا الرسول میں فعل کا اعادہ کیا گیا۔ مگر
"اولی الامر" میں نہیں کیا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے۔ وہ
اللہ کی ہے اور رسول کی ہے یعنی کتاب و سنت کی اور اولو الامر کی اطاعت صرف اسی
لئے کہ کتاب و سنت کی اطاعت کی جاتی ہے۔ بالاستقلال نہیں ہے پھر فان تنازعتم

کہ کر اور زیادہ واضح کر دیا کہ اگر اولو الامر کتاب و سنت کے خلاف حکم دے تو پھر اس حکم میں ان
کی اطاعت واجب نہیں ہے اللہ اور اس کے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہئے قالہ
الطیبی فی الشرح

بعض امرائے بنو امیہ نے اپنے مظالم و بدعات کی اطاعت کرانے کے لئے جب
اس آیت سے استدلال کیا اور کہا الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ واولی الامر منکم
کیا خدا نے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا کہ اولی الامر منکم تو بعض ائمہ تابعین نے
کیا خوب جواب دیا کہ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول - ہاں مگر پھر اس منصب
سے تم محروم بھی تو کر دیئے گئے جب فرمایا کہ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول
غرضکہ اس آیۂ کریمہ میں قرآن نے اس قانونِ شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفۂ امام
کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے اور اسی کا وجود نظام جماعت کا مرکزی اقتدار ہے۔

احادیث صحیحہ میں اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ اس بارے میں اس کثرت کے ساتھ
حدیثیں موجود ہیں اور عہد صحابہ سے لے کر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات، روایات و حفاظ
میں اس قدر ان کی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدہ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی
اور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی۔

اسلام کا نظام عمل - پانچ عالمگیر صداقتیں:

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا جس میں بالترتیب
اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم:- انا امرکم بخمس اللہ امرنی بھن :- الجماعۃ والسمع
والطاعۃ والھجرۃ والجہاد فی سبیل اللہ۔ فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع
ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع، ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جثی جھنم قالوا
یا رسول اللہ وان صام وصلی؟ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم اخرجہ احمد والحاکم
من حدیث الحارث الاشعری علی شرط الصحیحین قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن و

رواہ الشواہد

یعنی فرمایا میں تم کو پانچ باتوں کے لئے حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے دیا ہے —
جماعت، سمع، طاعت، ہجرت، اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے
ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ اور جس نے اسلام
کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی زندگی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔
لوگوں نے عرض کیا۔ کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا؟ حضور نے فرمایا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو
اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ہیں۔

۱۔ پہلی چیز جماعت ہے۔ یعنی تمام امت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی
سے جڑ کے رہنا چاہئے۔ الگ الگ نہیں رہنا چاہئے۔ آگے چل کر کثرت کے ساتھ وہ حدیثیں
ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک
بندھی اور سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو۔ اسلام نے غیر اسلامی
اور جاہلیت کی راہ قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی جماعتی ہے
جماعت سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد۔ ائتلاف، امتزاج
اور نظم ہو۔

اتحاد سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات میں منتشر نہ ہوں۔ ایک دوسرے سے ملے
ہوئے ہوں اور ان کے تمام اعمال مل جل کر انجام پا جائیں کسی گوشۂ عمل میں پھوٹ اور بیگانگی
نہ ہو۔

ائتلاف کا مرتبہ اتحاد سے بلند تر ہے۔ اتحاد صرف باہم مل جانا ہے۔ ضرور نہیں کہ
کسی تناسب کے ساتھ ترکیب ہوئی ہو۔ لیکن ائتلاف سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحاد
ہی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھ اتحاد ہو یعنی منتشر افراد اس طرح باہم ملے ہوں
کہ جس فرد کو اس کی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاہئے۔ وہی جگہ اسے ملی ہو اور

سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کر لیں جو کہ سب منتشر اجزا کو
اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھ جوڑ دینے اور ان کے بکھرے ذروں سے ایک متحد و
قائم جماعتی وجود پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی
خلیفہ ہے اور پھر ہر ملک، ہر آبادی، ہر گروہ میں اس کے ماتحت امام جماعت ہونے چاہئیں۔ اسلام میں
مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کے لئے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلا قیام امام کے
زندگی بسر کریں حتیٰ کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں تو چاہئے کہ ایک کو ان میں سے امام تسلیم کر لیا
جائے۔ اذا کان ثلاثۃ فی سفر فلیؤمروا احدھم

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونہ مسلمانوں کو دکھلا دیا گیا
کیونکہ نماز ہی وہ عمل عظیم ہے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونہ ہے۔ کس
طرح سینکڑوں ہزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں، مختلف جہتوں، مختلف شکلوں اور مختلف
لباسوں میں آتے ہیں لیکن یکایک صدائے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادی جسم میں
تبدیل کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ سینکڑوں اجزاء کا یہ منتشر مواد بالکل ایک ہی جسم واحد کی صورت
اختیار کر لیتا ہے۔ سب کے وجود ایک ہی صف میں جڑے ہوئے سب کے کاندھے ایک
دوسرے سے ملے ہوئے۔ سب کے قدم ایک ہی سیدھ میں۔ سب کے چہرے ایک ہی جانب۔ قیام
کی حالت ہے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ہیں۔ جھکاؤ ہے تو تمام صفیں بیک وقت
جھکی ہوتی ہیں۔ ظاہر کے ساتھ باطن بھی یکسر متحد و ہم رنگ۔ سب کے دل ایک ہی کی یاد میں محو۔
سب کی زبانیں ایک ہی کے ذکر میں مترنم۔ پھر دیکھو سب کے آگے صرف ایک ہی وجود امام کا
نظر آتا ہے جس کے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ ہوتی ہے۔ جب چاہے سب
کو جھکا دے جب چاہے سب کو اٹھا دے۔

اسلام کی زبان میں جماعت سے مقصود ایسا اجتماع ہے۔ انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت
نہیں ہے۔

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا ذکر اوپر کیا گیا وہ تمام تر قرآن و سنت سے

ماخوذ ہیں لیکن شواہد کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

۲۔ دوسری چیز "السمع" ہے۔ یعنی امام جو احکام دے اس کو سننا اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا۔ سمع کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم، دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔

۳۔ تیسری چیز "طاعت" ہے یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرمانبرداری اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اس کے سپرد کر دینا اور اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا۔ البتہ طاعت معروف میں ہے نہ کہ معصیت میں کہ انما الطاعۃ فی المعروف

۴۔ چوتھی بات "ہجرت" ہے۔ ہجرت ہجر سے ہے جس کے معنی ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں الہجر والہجران مفارقۃ الانسان غیرہ اما بالبدن او باللسان او بالقلب والمہاجرۃ مصارمۃ الغیر و متارکتہ اسلام کی اصطلاح میں کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کے لئے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کر دے مثلاً دولت کو، آرام و راحت کو، عزیز و اقربا کے قرب کو، وطن کو مکان کو تو اس کا نام ہجرت الی اللہ اور ذہاب الی اللہ ہے۔ خدا کے ہر رسول اور ان کے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طے کرنی پڑی انی مہاجر الی ربی اور انی ذاہب الی ربی چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں اہل و عیال، مال و متاع، دوست و احباب ہر طرح کے علائق کو ترک کر دینا پڑتا ہے اور اس کی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے اسلئے ترک وطن کی ہجرت اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہوئی اور زیادہ تر مہاجرت کا اطلاق ترک وطن ہی پر کیا گیا۔ و لکل امرئ مانوی فمن کانت ہجرتہ الی اللہ و رسولہ فہجرتہ الی اللہ و رسولہ و من کانت ہجرتہ لدنیا یصیبہا او امراۃ یتزوجہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ۔ یعنی ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی پس جس نے اللہ اور اسکے رسول کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اسکے رسول کے لئے ہوتی اور جس نے اس لئے گھر چھوڑا کہ دنیا کمائے یا نکاح کرے تو اسکی ہجرت اسی کام کے لئے ہوتی جس کے لئے

اس نے گھر چھوڑا۔ پھر ہجرت کے بھی اقسام ہیں اور مراتب بعضہا فوق بعض کتاب و سنت اس کی تفصیل سے لبریز ہیں یہ موقع تفصیل کا نہیں۔

پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔ "جہاد" جہد سے ہے جس کے معنی، استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاہراً او باطناً ہیں (مفردات راغب) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کو دور کرنے اور اپنے کو قائم و باقی رکھنے کے لئے انتہائی کوشش کرنا یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے، مال سے بھی ہوتی ہے، جان سے بھی ہوتی ہے جس قسم کی کوشش کی ضرورت ہو۔ ہر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ وجاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم (رواہ ابوداؤد) واحمد ونسائی وابن حبان عن انس

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاو قیام کی اصلی بنیادیں ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جس کی قومی ہستی ان پانچ عنصروں سے مرکب نہ ہو یعنی وعمل کا کوئی گوشہ ہو۔ کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی تم سمیٰ بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالی کی تحقیق کے۔ مگر کوئی چیز بھی بغیر جماعت، اطاعت ہجرت اور جہاد کے حاصل نہ ہو سکے گی۔ دنیا نے آج تک جو کچھ پایا ہے غور کرو گے تو وہ سب انہی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج ہیں۔

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کی ایک سب سے بڑی علت حقیقت کی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت ہے طلب صداقت کے اکثر جھگڑے حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں یعنی سچائی ہر جگہ اور ہر گوشہ عمل میں حقیقت و مسمیٰ کے اعتبار سے ایک ہی ہے لیکن جیسی مختلف ہو گئے ہیں اور نام متعدد مصیبت یہ ہے کہ دنیا معانی کی جگہ لفظوں کی پرستش کرتی ہے اور گو سب طلبگار و پرستار ایک ہی حقیقت کے ہیں لیکن محض ناموں کے اختلاف کی وجہ سے باہمدگر لڑ رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے شہد، دوسرا کہتا ہے عسل۔ مگر کوئی نہیں جو دونوں کو سمجھا دے کہ مقصود دونوں کا ایک ہی ہے۔ اختلاف مسمےٰ میں نہیں ہے صرف اسم میں ہے۔ ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا ہے لیکن اپنی اصطلاح و

یہ ہم بھی اس لقب سے پکارتا ہے۔ وہی حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو فوراً انکار کر دیتا ہے اور اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے ہر طرح نفرت کرے۔ مذاہب کے اختلافات سے لے کر معاشرت و رسوم کے چھوٹے چھوٹے اختلافات تک یہ جذبہ یہی علت کام کر رہی ہے اگر کبھی ایسا ہو سکے کہ ظواہر و اسماء کے تمام پردے اٹھا دیئے جائیں اور حقیقت بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آ جائے تو یکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم ہو جائیں اور تمام لڑنے والے دیکھ لیں کہ سب کا مطلوب ایک ہی ہے۔ اگرچہ تعبیرات مختلف ہیں اور سب کا مقصود ایک ہی ہے اگرچہ نام بہت سے ہیں۔

عباراتنا شتی و حسنک واحد　　وکل الی ذاک الجمال یشیر

معرفت و حقائق کے مشاہدہ و مناظر میں یہ مشہد سب سے اعلیٰ و ارفع مقام رکھتا ہے اسی کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علم الجمع بین المختلفات سے تعبیر کرتے ہیں (۱) اور ائمہ اصحاب اشارات و سلوک نے "مشہد وحدت" کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سالک طریق کے لئے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے۔ مقصود اس سے وہ قوت نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گذر کر حقیقت تک پہنچ جائے اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دور کر کے مقاصد و معانی کا اتحاد معلوم کر لے۔ بحدیکہ سارے تنازعات و اختلافات دور ہو جائیں اور سخت سے سخت متنازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اس اصل کو پیش نظر رکھ کر اگر غور کرو گے تو واضح ہو جائیگا کہ جماعت تعلیم اطاعت ہجرت اور جہاد دنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ہیں جن کی حقیقت سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے ان سے الگ رہ کر کامیابی حاصل کی ہو۔ ہر عقل نے ان کا اقرار کیا ہے۔ ہر دل میں ان کا اعتقاد موجود ہے اور ہر عامل جماعت

(۱) تفہیمات میں لکھتے ہیں:۔ لما تمت بی دورۃ الحکمۃ البسنی اللہ خلعۃ المجددیۃ فعلمت علم الجمع بین المختلفات

شب و روز ان پر عمل کر رہی ہے۔ البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری الجھن ڈال دی ہے اسلام نے جن ناموں سے ان کو تعبیر کیا ہے۔ اُن سے دنیا کو اختلاف ہے لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے۔ اُن سے دنیا اختلاف نہیں کر سکتی۔ اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہو جائے۔

اس نظام میں پہلی چیز "جماعت" ہے جس کی مختصر تشریح اوپر گزر چکی۔ غور کرو۔ دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جس کو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جا سکتا ہے جماعت کی زیادہ سے زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو۔ صاف اور سیدھے سادے معنی جو ہو سکتے ہیں صرف انہیں پر غور کر لو۔ سوسائٹی۔ پارٹی کمیٹی، کلب، انجمن، کانفرنس۔ پارلیمنٹ۔ بلکہ قوم، ملک فوج، ان سب سے مقصود کیا ہے۔ یہی کہ "جماعت" اور التزام جماعت۔ وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مل جل کر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں پھر جماعت بے سود ہے اگر اس کا نظام نہ ہو اور کوئی سردار و رہنما نہ ہو تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو تو سب سے پہلے ایک پریسیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لیں گے۔ یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کر سکے گی۔ فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے۔ اس کی اطاعت ماتحتوں کے لئے فرض سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ بغیر اس کے فوج کا نظام قائم نہیں رہ سکتا پانچ دس آدمی بھی اگر بغیر امیر کے کام نہیں کر سکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتی ہیں؟ اس سے بھی سادہ تر مثال یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو۔ خود تمہارا گھر بھی تو ایک چھوٹی سی آبادی ہے؟ اگر بیوی تمہارا حکم نہ مانے تو تم کیوں بگڑتے ہو۔ اگر گھر کے لوگ تمہارے کہنے پر نہ چلیں تو تم کیوں لڑتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں روز خانہ جنگی ہوتی ہے یہ سب کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ الجماعۃ، والسمع، والطاعۃ کوئی جماعت امن و نظم نہیں پا سکتی۔ جب تک اس کا کوئی امیر نہ ہو اور جب تک امیر کی اطاعت نہ کی جائے۔ گھر اور خاندان بھی ایک چھوٹی سی جماعت ہے تم گھر کے بڑے ہو۔

یعنی امیر پولیس گھر کی عافیت کامیابی اس پر موقوف ہے کہ سب تمہاری بنیں اور تمہارے کہے پر چلیں
ہجرت کا لفظ کس قدر تمہارے لئے نا آشنا اور نامانوس ہے تم سمجھتے کہ یہ دنیا کے اس عہد
جہل و وحشت کی یادگار ہے جب مذہبی جذبات کی برانگیختگی نے تمدنی احساسات کو مغلوب
کر دیا تھا اور انسان دین پرستی کے جنون میں اپنی عقل و تمدنی زندگی تک کو قربان کر دیتا تھا لیکن
بتلاؤ اب دنیا کی اعلے سے اعلے علمی و تمدنی ترقیاں جن پر تم کو حسب راہ کی طرف بلا رہی ہیں سو وہ
ہجرت کی حقیقت سے کب خالی ہیں اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرہ عروج بھی کس عملی حقیقت کا
نتیجہ ہے ہجرت سے مقصود یہ ہے کہ اعلے مقاصد کی راہ میں کمتر فوائد کو قربان کر دیا۔ اور حصول
مقاصد کی راہ میں جو چیزیں حائل ہوں ان سب کو ترک کر دینا۔ خواہ آرام و راحت ہو۔ مال و
دولت ہو۔ نفسیاتی خواہشیں ہوں حتیٰ کہ قوم ہو۔ ملک ہو۔ وطن ہو۔ اہل و عیال ہوں سب کو
چھوڑ دینا۔ پھر بتلاؤ علم و عمل کا کون گوشہ ہے جس میں کامیابی بغیر اس جذبہ کے مل سکتی ہے۔
انسان کی معلومات میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی بتلا سکتے ہو جو بلا ہجرت کے مقام سے
گزرے اس نے پائی ہو؟ دنیا کی علمی و تمدنی ترقیاں حیرت انگیز اکتشافات انقلاب انگیز
ایجادات، دولت کی فراوانی، تجارت کی عالمگیری، نئی نئی آبادیوں کا قیام، طرح طرح کے وسائل
معیشت و فلاح کا ظہور، پھر ملکوں کا عروج، قوموں کی بالادستی، تمدن کی وسعت فی الحقیقت
انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات ہیں؟ اگر کچھ نظر پھیلاؤ تو معلوم کر لوگے کہ صرف عمل
ہجرت کے۔ اگر انسان اور انسانوں کی جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں ہزاروں قربانیاں
نہ کی ہوتیں، ہر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کر جاتے، اپنی ساری خواہشوں اور
ولولوں کو ترک نہ کر دیتے۔ گھر کے عیش، اہل و عیال کی محبت، خویش و یگانہ کی الفت اور ملک و
وطن کی وابستگیوں سے بالکل آزاد ہو کر راہ ہجرت میں قدم نہ اٹھاتے تو آج دنیا میں علم کی جگہ
جہل ہوتا تمدن کی جگہ وحشت ہوتی۔ آبادیوں کی جگہ جنگل ہوتے اور ان تمام ترقیوں میں سے
ایک ترقی بھی کرۂ ارضی کی پیٹھ پر نظر نہ آتی۔ دنیا پر جس قدر علوم و فنون موجود ہیں ان سب کی
تکمیل کیونکر ہوتی۔ اگر ولولۂ ہجرت سے انسان کا قلب خالی ہوتا؟ کتنے ہی انسانوں نے اپنے گھروں

اور ہلسند ست نے ہجرتیں کی ہیں۔ دنیا کے ایک ایک گوشہ اور ایک ایک چپہ کو چھان مارا ہے جب کہیں جا کر فن طب کی تکمیل ہوئی ہے اور ادویہ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل ہوا ہے۔ اگر یہ حریص علم کے تاجرے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے۔ اور گھر کے آرام و راحت کی جگہ سفر و غربت کی صعوبتیں گوارا نہ کر لیتے تو اشیاء کی تحقیق کیونکر ہوتی؟ پیداوار کی معلومات کیونکر تکمیل پاتی؟ جغرافیہ کیونکر وجود میں آتا علم الحیوانات کے تجارب کی جزئیات کیونکر جمع ہو سکتیں؟ نئی نئی ایجادات اور اکتشافات کی کس طرح راہ کھلتی؟ کولمبس اگر ہجرت نہ کرتا تو آج نیویارک و واشنگٹن کی سر بفلک عمارتوں کا وجود نہ ہوتا۔ اگر یورپ کی قومیں اپنے ملکوں سے ہجرت نہ کرتیں تو آج تمام دنیا کی دولت ان کے گھروں میں کھچ کر نہ جاتی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر قطب شمالی کی تحقیق کے لئے مہاجرین کشف کے دستہ پر دستہ قطب کے پیچھے یکے بعد دیگرے نکلیں اور یک قلم قربان ہلاک ہو جائیں تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبہ نوع پرستی کی انتہا ہے لیکن اگر اسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع تر لفظ "ہجرت" سے تعبیر کرے۔ تو تم اس کا انکار کر دو؟ تمہارے نزدیک یہ تو تمدن ہے کہ دریائے نیل کا مخرج دریافت کرنے کے لئے سینکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ہلاک ہو جائیں لیکن یہ وحشت ہے کہ قیام حق اور اشاعت صداقت کی راہ میں اللہ کے بندے ترک وطن کریں؟ اگر نیوٹن اپنی راتوں کی نیند اور بستر کی راحت چھوڑ دے تاکہ "کشش ثقل" کا قانون دریافت کرلے تو تم اس کی پرستش کرو اور کہو کہ یہ علم پرستی ہے لیکن اگر یہی عزم و طلب کا ایسے ہی پرستار ہو تو اس عازم صادق کے لئے کیا کہتے ہو جو قانون کشش ثقل کے لئے نہیں بلکہ قانون نجات عالم کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستی ہے۔

آج تمام یورپ قومی ترقی اور ملکی استحکام کی سب سے بڑی بنیاد کالونیل سسٹم کو یقین کرتا ہے یعنی نو آبادیوں کے اصول کو، اور اس کا اس درجہ پرستار ہے کہ صرف اسی کی خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں مبتلا رکھتا ہے لیکن نو آبادیوں کے اصول کے کیا معنی ہیں؟ یہی کہ ترک وطن کر کے اپنی نئی نئی آبادیاں قائم کرنا۔ اور قومی دولت و طاقت کو

بڑھانے کے لئے دنیا میں دُور دُور تک پھیل جانا۔ اب غور کرو کہ یہ وہی ہجرت اور ترکِ وطن کی بات ہوئی یا نہیں؟ اور بالجماعۃ، والسمع، والطاعۃ، والہجرۃ پر دنیا عمل کر رہی ہے یا نہیں؟ نام مختلف ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے۔

"جہاد" کے معنی یہ ہیں کہ دفعِ اعداء میں اپنی جان و مال سے کمال درجے کی محنت کرنا۔ دنیا میں کوئی قوم، کوئی ملک، کوئی جماعت، کوئی قبیلہ، کوئی خاندان، کوئی گھر، کوئی انسان، بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر جہاد کے زندہ اور قائم نہیں رہ سکتی۔ کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا؟ جس چیز کو تم ہزار ہا ناموں اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزارِ ہستی میں بقاء و قیام کی اصلی بنیاد سمجھتے ہو۔ اسی کو اسلام نے ایک جامع لفظ "جہاد" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر تم سے ڈارون اور رسل والیس تنازع البقاء (STRUGGLE FOR EXISTENCE) اور انتخابِ طبعی (NATURAL SELECTIAN) اور بقاءِ اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کارزارِ حیات میں بقا صرف اصلح و افضل کے لئے ہے، تو تم پوری طرح کان دھرتے ہو اور فطرت کے قتل و غارت کا افسانۂ خونیں تم کو پریشان خاطر نہیں کرتا۔ لیکن اسی حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو قانونِ الٰہی زمین کے کیڑوں مکوڑوں تک نافذ ہے اس سے جمعیتِ بشری کیونکر بری ہو سکتی ہے؟ پس دنیا میں اسی قوم کو باقی رہنا چاہئے جو حق و ہدایت کے اعتبار سے اصلح ہو۔ غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاہئے اور قانونِ الٰہی کا ہاتھ ان کو مٹا دینا چاہئے۔ ہدایت یافتہ اقوام کا یہ حق ہے کہ غیر ہدایت یافتہ قوموں پر غالب آئیں لیظہرہ علی الدین کلہ۔ پھر اس بات پر تم کیوں مضطرب ہوتے ہو؟ کیوں اس قدرتی قانونِ ہستی کے ذکر میں تم کو قتل و غارتگری کی دہشت نیکی نظر آتی ہے؟ یورپ کی قومیں تمام دنیا کو اپنی نوآبادیوں سے بھر دیں اور کہیں کہ افریقہ کے وحشیوں کی جگہ ہم متمدن اقوام زیادہ خدا کی زمین کی حقدار ہیں۔ اس کو تو تم گوارا کر لو، لیکن اگر اسلام کہے کہ ان الارض للہ ورسولہ خدا کی زمین حق پرستوں کے لئے ہے کفر و ضلالت کے پرستاروں کے لئے نہیں ہے، تو تم اس کو وحشت

اور خوفناک کہو۔

یہاں ایک اور اہم اور قابل غور عمل یہ بھی ہے کہ اس حدیث (حدیث حارث اشعری)
اور نیز دیگر احادیث میں ہمیشہ جماعت اور اطاعت خلیفہ کی زندگی کو اسلامی زندگی قرار دیا
ہے اور اس کے عکس کو جاہلیت، جاہلیت کی زندگی بتلایا گیا ہے [illegible] قرآن نے
واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور باہمی علیحدگی اور کسی ایک مرکزی قوت کے ماتحت نہ ہونا اسلام
نے ظاہر ہو کر زندگی کی جو تخم ریزی کی وہ کیا تھی؟ باہمی اتحاد و ائتلاف تمام منتشر افراد کو ایک
متحدہ جماعت بنا کر نفس واحدہ کر دیا اور سب کے سب ایک ہی چوکھٹ پر جھکا دیئے گئے۔ واذکروا
نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ وکنتم علی شفا
حفرۃ من النار فانقذکم منہا۔

پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا۔ اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت
یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت
اور اطاعت امام سے الگ ہو گیا۔ گویا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس کی موت اسلام پر نہیں
جاہلیت پر ہوگی۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو۔ روزہ رکھتا ہو اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو[1]

مسلمانانِ ہند اور نظام جماعت:

اس بارے میں مسلمانوں کے لئے راہ عمل ہمیشہ سے الگ ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی
طرح اب بھی ایک ہی ہے یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت
سے باز آجائیں جس میں ایک عرصہ سے مبتلا ہیں۔ اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے

---

[1] یہاں سے دو ابواب کاٹ دیئے گئے ہیں جن میں حضرت مولانا نے انہیں مفاہیم و مطالب کو
احادیث و تواریخ کے تذکرہ و بیان سے آراستہ کیا ہے اور آخر میں اس بحث کو جزیرۃ العرب
عثمانی خلافت، برطانوی حکومت اور مسلمانانِ ہند کے سیاسی اعمال کے ذکر پر ختم کیا ہے ——
مسلمانانِ ہند اور نظام جماعت اس طویل و مبسوط تحریر کی آخری فصل ہے لیکن اس میں اصل مباحث کا
خلاصہ و مقصد آگیا ہے۔ مزید تشریحات کے لئے مرتب کی تصریحات دیکھئے

ان پر بند ہو گئے ہیں۔

"جماعتی زندگی کی معصیت سے مقصود یہ ہے کہ ان میں ایک جماعت بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہو گیا ہے۔ وہ بالکل اُس گلے کی طرح ہیں جس کا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو گیا ہو۔ وہ لیبا اوقات یکجا اکٹھے ہو کر اپنی جماعتی قوت کی نمائش کرنی چاہتے ہیں کمیٹیاں بناتے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظر میں "بھیڑ" اور "انبوہ" کا حکم رکھتی ہیں۔ جماعت کا حکم نہیں رکھتیں۔ بھیڑ اور جماعت میں فرق ہے۔ پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی ہے جب کوئی تماشہ ہو رہا ہو۔ دوسری چیز جمعہ کے دن مسجدوں میں دیکھی جا سکتی ہے جب ہزاروں انسانوں کی منتظم و مرتب صفیں ایک مقصد ایک جہت اور ایک حالت اور ایک ہی کے پیچھے مجتمع ہوتی ہے۔

شریعت نے مسلمانوں کے لئے جہاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کر دیئے ہیں وہاں ان کے لئے ایک اجتماعی نظام بھی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ زندگی اجتماع کا نام ہے۔ افراد و اشخاص کوئی شے نہیں جب کوئی قوم اس نظام کو ترک کر دیتی ہے تو گو اسکے افراد فرداً فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ہوں۔ لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھ سودمند نہیں ہو سکتیں! اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہو جاتی ہے

قرآن و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے۔

شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے مسلمانانِ ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے؟

کتاب و سنت نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں۔

تمام لوگ کسی ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ہو جائیں اور وہ ان کا امام ہو۔
وہ جو کچھ تعلیم دے۔ ایمان و صداقت کے ساتھ قبول کریں۔
قرآن و سنت کے ماتحت اس کے جو احکام ہوں اُن کی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں۔

سب کی زبانیں گونگی ہوں صرف اسی کی زبان گویا ہو۔ سب کے دماغ بیکار ہو جائیں صرف اُسی کا دماغ کارفرما ہو۔ لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ۔ صرف دل ہو جو قبول کرے صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں۔

اگر ایسا نہیں ہے تو ایک بھیڑ ہے۔ ایک انبوہ ہے۔ جانوروں کا ایک جنگل ہے کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے۔ مگر نہ تو "جماعت" ہے نہ "امت"، نہ "قوم" ہے نہ "اجتماع"۔ اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں۔ کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں۔ قطرے ہیں مگر دریا نہیں۔ کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں۔ مگر زنجیر نہیں جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر سکتی ہے۔

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا نہ کہ دانہ ڈالنے کا۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و جہد کی تمام گزشتہ زندگی گم گشتگی و بے حاصلی میں ضائع کر دی حتیٰ کہ [illegible] وہ وقت آ گیا جس کی تباہیوں کو تخیل پیدا کر کے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے فقد جاء اشراطہا۔ فانی لہم اذا جاءتہم ذکراہم۔ اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور عزم ہونا چاہئے تو اسی کا۔ سچے کام کے کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے مگر جب کبھی کیا جائے۔ سچائی ہے۔ اس کے لئے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی مخالف۔ اس کے کرنے میں جس قدر بھی دیر کی جائیگی معصیت اور خطا کی ہے لیکن جب کبھی کر دیا جائے۔ سچائی اور نیکی ہے اور اس کا ثمرہ زندگی اور کامرانی۔

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص قوتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سُن پاتے ہو اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو اور جس طرح اونگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اٹھتا ہے۔ یکایک اعتقاد اور عمل دونوں تمہیں یاد آجاتے ہیں۔ حالانکہ نہ تو خاص خاص

خاص فتنہ ہی میں تمہاری مصیبت موجود ہیں آتی ہے نہ کہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے تمہاری مصیبت دائمی، تمہارا ماتم ہمیشگی کا۔ تمہارا روگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا اور تمہاری نحوست چوبیس گھنٹے تمہاری ساتھی ہے۔ اور ٹھیک اسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سایہ کے ساتھ دوڑ رہی ہے اور ہر آن ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر رسائی ہو رہی ہے۔

تم وقت پر آ جانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلتے جاتے ہو؟ اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے جب تک دل و جگر کا علاج نہ ہوگا۔ روز نئے نئے روگ لگتے رہیں گے۔ خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے مگر تمہاری بربادی کا سلسلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا۔ پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے صرف یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیئے اور قوم و فرد دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک اسلامی زندگی اختیار کر لینی چاہیئے۔ اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائیں گے۔ سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے۔ ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے

درازی شب و بیداری من این ہمہ نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست

اسی مسئلہ خلافت کو دیکھو! شرعی اور سیاسی دونوں پہلوؤں سے کس قدر اہم اور نازک معاملہ ہے؟ اگر آج مسلمانوں میں ان کے ائمہ و مشاہیر موجود ہوتے تو ان میں سے کوئی بھی ہر شخص زبان نہ کھولتا کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند ہو جاتے لیکن اس کے مقابلہ میں آج تمہارا حال کیا ہو رہا ہے؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے۔ اسی تیزی سے اس پہلو کو بھی کترنا چاہتے ہیں۔ ہر زبان تجویزیں پیش کر رہی ہے ہر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی داہنے بلاتا ہے کوئی بائیں۔ کیا اس طوائف الملوکی اور ذہنی انارکی کے ساتھ جو ہمارے فکر و نظر کا

ایک پورا پورا عذاب ہے۔ یہ مہم سر ہو سکتی ہے۔

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جس کا قلب کتاب و سنت کے معارف و غوامض سے معمور ہو وہ اصولِ شرعیہ کو مسلمانانِ ہند کی موجودہ حالت پر ان کے توطن ہند کی حدیث العہد نوعیت پر۔ ایک ایک لمحہ کے اندر تغیر ہو جانے والے حوادثِ جنگ و صلح پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرے اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیہ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتویٰ شرع صادر کرتا ہے۔ نہ ہر عالم اس کا اہل ہے۔ نہ ہر مدرسہ نشین اس کا اسرار شناس۔

سیاسی پہلو سے دیکھا جائے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ہے۔ اس کو تم صرف اپنی جماعتی قوت کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہو پھر کس قدر نامرادی ہے کہ وہ قوت بھی ناپید ہے؟

مانا کہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں۔ نہ جوش و سرگرمی کی کمی ہے اور یہ بڑی ہی قیمتی چیز ہے لیکن اگر صحیح راہِ عمل اختیار نہ کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ہو جا سکتی ہے۔ جذبات کی مثال اسٹیم کی سی ہے۔ بغیر اسٹیم کے کچھ نہیں ہو سکتا لیکن وہ گاڑی بغیر مشین اور سائق (ڈرائیور) کے کچھ نہیں کر سکتی۔ مشین اس کی طاقت کو ترتیب دیتی اور ڈرائیور اس سے کام لیتا ہے اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو اس سے زیادہ کوئی خطرناک اور مہلک چیز بھی نہیں ہو سکتی۔ کاش وہ نہ ہوتی۔ وہ ٹرین کو منزلِ مقصود پر پہنچاتی ہے مگر انجنوں کو ٹکرا کر ہزاروں انسانوں کو ہلاک بھی کر دیتی ہے۔

جذبات اسی وقت کام دے سکتے ہیں جب ان کو مرتب کرنے اور ان پر حکم و قضا کے لئے "ادراک" اور "دماغ" بھی موجود ہو و فیہ معنی عمل النبوۃ ولکن لا یعقلہا الا العالمون

بہر حال اس وقت اور ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے راہ عمل یہی ہے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کی جماعتی زندگی اختیار کر لیں۔ اسی پر مسئلہ خلافت اسلامی کے بھی تمام مہمات اعمال موقوف ہیں۔

تمام مسلمانوں کو اُن ہمدردانِ ملت کا شکرگزار ہونا چاہیے جنہوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی اور تمام ملک میں اس کی شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا۔ لیکن خلافت کمیٹی کا نظام جماعتی و شرعی کے قیام سے مستغنی نہیں کر دے سکتا۔ خلافت کمیٹی بدرجۂ صحیح کریگی ایک شرعی جاری رکھے گی تبلیغ و اشاعت کریگی لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتی ہے۔ نہ کمیٹیوں سے جماعت پیدا ہو سکتی ہے نہ شرعی نظام کی قائم مقامی ہو سکتی ہے۔ وہ خود احکام شرعیہ کے علم کے لئے اپنے قیام و تکمیل کے لئے دفع تفرقہ و انتشار کے لئے اور روحِ اجتماع و قوام کے نفوذ کے لئے ایک بالاتر قوت حاکمہ و نافذہ کی محتاج ہے اور اگر وہ قوت نہیں ہے تو پھر اسکی ہستی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

نظامِ شرعی یہ نہیں ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً سوچتا ہے کہ مسئلہ خلافت کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملی راہ کیا ہونی چاہئے؟ اور ہر شخص یا چند آدمیوں کی گڑھی ہوئی کمیٹی کو یہ حق ہے کہ لوگوں کو کسی خاص راہ کی طرف دعوت دے اور شروع کر دے۔ یہ کام صرف ایک صاحبِ نظر و اجتہاد کا ہے جس کو قوم نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہو۔ وہ وقت اور حالات پر اصول و احکامِ شریعت کو منطبق کریگا۔ ایک ایک جزیہ حوادث و واقعات پر پوری کاروائی و نکتہ شناسی کے ساتھ نظر ڈالے گا۔ امت و شرع کے اصول مصالح و مقاصد اس کے سامنے ہونگے کسی ایک گوشہ ہی میں ایسا مستغرق نہ ہو جائیگا کہ باقی تمام گوشوں سے بے پرواہ ہو جائے۔

حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء

سب سے بڑھ کر یہ کہ اعمال مہمۂ امت کی راہ میں منہاجِ نبوت پر اس کا قدم استوار ہوگا اور ساری باتوں کے علم و بصیرت کے بعد ہر وقت، ہر تغیر، ہر حالت، ہر جماعت کے لئے احکام شرعیہ کا استنباط کر سکے گا۔

زبان زنکتہ فرو ماند و راز من باقیست بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

عزیزانِ ملت ! اس طول طویل صحبت میں جو کچھ بیان کیا گیا اس میں کوئی بات بھی ایسی

نہیں ہے جیسی میری زبان پر تنی ہو۔ یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچاس سالوں سے برابر دہرا
رہا ہوں۔ وما علینا الا البلاغ کی بہم صدائیں تمہارے حافظے میں فراموش نہیں ہو گئی ہیں تو
تم اس کی تصدیق کرو گے۔ تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی راہیں اور صدائیں کتنی ہی مختلف و
متزلزل رہی ہوں لیکن میری طرف دیکھو! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال
سے صرف ایک ہی صدائے دعوت بلند کر رہا اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر
پکار رہا اور دوڑ دوڑ کر بلا رہا ہوں۔ ولکن لا تحبون الناصحین۔ افسوس کہ تم حقیقی اور سچی بات
کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ تم نمائش کے پجاری، شور و ہنگامہ کے بندے اور وقتی جذبات
انفعال و ہیجان کی مخلوق ہو۔ تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر، تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو۔ تم جس قدر تیز
دوڑ کر آتے ہو، اتنی ہی تیزی کے ساتھ فرار بھی کر جاتے ہو۔ تمہاری اطاعت جس قدر سہل
ہے اور تمہاری ارادت جتنی سستی، اتنا ہی انحراف آسان ہے اور اسی نسبت تمہاری تحقیر
بھی ارزاں ہے پس نہ تمہاری تحسین کی کوئی قیمت، نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن۔ نہ تمہارے پاس
دماغ ہے نہ دل۔ وساوس ہیں جن کو تم افکار سمجھتے ہو، خطرات ہیں جن کو تم عزائم کہتے ہو۔ خدارا بتلاؤ
میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لئے تم رو رہے
ہو یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب کی چیخ بن
کر نکلتی تھیں۔ مگر تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکڑا ہے اس سے ٹکرا کر واپس آجاتی
تھیں؛ اور تم یکسر انکار و اعراض میں غرق تھے۔

تم نے ہمیشہ اعراض کیا۔ تم نے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ جعلوا اصابعھم فی آذانھم
واستغشوا ثیابھم، واصروا، واستکبروا استکبارا کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ
کر دیں۔ میں نے تم میں سے ہو کر گروہ کو ٹٹولا۔ میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان
مارا۔ جب کبھی کوئی بھیڑ دیکھی فریاد کی، جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا فلم یزدھم
دعائی الا فرارا۔

بہت کم روحیں ایسی نکلیں جن کو حقیقت کا فہم ہوا اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے

مجبور ہوں۔ یہاں تک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ہو کر ہمالیہ کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کن غموں میں بسر ہوتی رہیں۔ اب میں پھر تم میں واپس آ گیا ہوں لیکن تمہاری بھیڑوں اور بغولوں میں بھی جستجو کا چہرہ اسی طرح مفقود ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود ہو رہا ہے۔ اب تک حقیقت شناسی کی کوئی گہرائی تم میں نظر نہیں آتی۔ تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوئے ریلوے اسٹیشنوں پر آتار دو۔ اور ایسے پرجوش انسانوں کے نعرے سنا دو جن کے ہاتھوں میں فتحمند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کر دو کہ ان کے ہجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جائے۔ مگر آہ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لے کر کیا کروں جب دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے اور تمہارے اس جوشِ استقبال سے مجھے کیا خوشی ہو جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوتی ہیں۔ افسوس تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو۔ تم میں کوئی نہیں جو میرا آشنا ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اس پورے وطن میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم — جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درونِ من نجست اسرار من
سرِ من از نالۂ من دور نیست — لیک کس را گوش آں منظور نیست

میری راہوں میں نہ کبھی تبدیلی ہوتی نہ میرے سفر میں کبھی مین و یسار کا نذبذب پیش آیا ہے۔ تبدیلیاں فکروں میں ہو سکتی ہیں۔ قیاسوں میں ہو سکتی ہیں۔ پولیٹیکل حکمت عملیوں میں ہو سکتی ہیں۔ انسانی تقلید اس کا سرچشمہ ہے اور انسانوں اور قوموں کا اتباع کا منبع۔ لیکن ان عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی ہدایتوں سے ماخوذ ہوں۔ الحمد للہ کہ میں جو کچھ کہتا اور کرتا رہا وہ میرے عقائد و معلومات تھے۔ بڑوں کی طرح آراء و مظنونات نہ تھے و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ اس وقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا۔ بہتوں نے استہزا کیا۔ کتنوں نے کہہ دیا کہ یہ تو ایک طرح کی مذہبی بناوٹ اور مافوق الفطرت دعووں کا

اعلان ہے۔ یریدون ان یتفضل علینا بعضوں نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحری اور ایک طرح کی ادیبانہ افسوں گری ہے اکتتبہا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا لیکن دیکھو بالآخر رفتہ رفتہ سب نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ سب اسی راہ پر چل پڑے بعضوں نے دانستہ اور بہتوں نے نادانستہ مگر راہ سب نے وہی اختیار کی۔ آج تم سب اسی مافوق الفطرت دعوؤں اور ساحرانہ فصاحت طرازیوں کو اپنا اصل الاصول بنائے ہوئے ہو اور قیام شریعت اور تقدیم و اتباع شریعت اور حفظ و وقایۂ ملت کے ناموں سے موسوم کرتے ہو۔

پس جبکہ یہ پہلا تجربہ دو شہادت تمہارے سامنے ہے تو آج میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آگیا۔ راہ عمل کے لئے تمہارا رخ وہ ہے جس کی طرف تم دوڑ رہے ہو اور میری راہ وہ ہے جس کی طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا ہوں۔ تم بارش کے وجود سے انکار نہیں کرتے مگر منتظر رہتے ہو کہ پانی برسنے لگ جائے تو اقرار کریں لیکن میں ہواؤں میں پانی کی بو سونگھ لینے کا عادی ہوں اور صرف بادلوں ہی کو دیکھ کر میرے علم کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پس اگر پچھلا تجربہ بس کرتا ہے تو اس سے عبرت پکڑو، اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاہتے ہو تو انتظار کر دیکھو۔ فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ۔ ان اللہ بصیر بالعباد۔

صدارتی خطبہ

صوبائی مجلس خلافت آگرہ

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء

حضرات! آپ کے صوبہ کی غالباً یہ تیسری مجلس خلافت ہے، جس کی صدارت کی خدمت کے لیے آپ نے ازراہ لطف و نوازش مجھ کو منتخب فرمایا ہے۔ میں اس لطف و عنایت کے لیے آپ تمام بزرگوں و عزیزوں کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس خدمت کے انجام دینے میں آپ تمام عزیزوں کی مساعدت میری مدد کرے گی اور اللہ تعالیٰ توفیق دے گا کہ اس کو بہتر امیدوں کے ساتھ ختم کروں۔

اس مجلس کا افتتاح کرتے ہوئے جن بیانات کی ضرورت تھی میں سمجھتا ہوں کہ وہ کئی مرتبہ بیان میں آ چکے ہیں۔ بار بار ان کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ بار بار مجلسوں میں وہ پیش ہو چکے ہیں۔ زبانوں پر بھی بار بار ان کا اعادہ ہو چکا ہے۔ قلم نے بھی بار بار ان کی تکرار کی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ان مسائل کی نسبت اس وقت اور زیادہ تفصیل سے کام لینا بالکل غیر ضروری ہے۔

لیکن اگر اس امر کی ضرورت ہوتی کہ میں وقت کے مسئلوں کی نسبت، تحریک خلافت کی نسبت، آزادیٔ ہند کی تحریک کی نسبت آپ کی خدمت میں گزارشات کا کرنا ضروری محسوس کرتا جب بھی میں ایک ایسے شہر میں جیسا کہ یہ شہر ہے اور جیسی کہ اس شہر کی تاریخ ہے میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام بیانات کی کہ جو انسان کی گویائی کر سکتی ہے کچھ ضرورت نہ تھی۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں جس طرح خدا کی سچائی کے مختلف بھیس ہیں، خدا کی سچائی کے لیے مختلف نقاب ہیں۔ اگرچہ بھیس مختلف ہوتے

[illegible]

جو ہندوستان کی گزشتہ عظمت پر ماتم کر رہی ہے۔ وہاں شاہجہاں کا مدفن اور آرامگاہ موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی زبان ہو سکتی ہے کہ جو زبان تمہارے کانوں کو مخاطب کر سکتی ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس آبادی میں، اس تہذیب کے مرکز اور اس عالم کے قربان گاہ میں میں کونسی چیز پیش کروں۔ اس زمین کے ایک ایک چپہ کی خاموشی میں آواز موجود ہے۔ اس کے ایک ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈرات میں، ان ٹوٹی ہوئی اینٹوں میں جن کا غبار ہوا میں اڑ رہا ہے نصیحت موجود ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس موقعہ پر میرا فرض ایک خطیب کا فرض نہیں ہے۔ ایک مقرر کا فرض نہیں ہے۔ البتہ میرا فرض ایک فریادی اور ماتمی کا فرض ہے۔ جو آپ کے آگے اس لئے نہیں آیا ہے کہ آپ کو کچھ سنائے بلکہ ماتم کرے۔ اور آپ سے امید کرے کہ اگر آپ کی زندگی کے چند لمحے، آپ کے حالات دنیا اجازت دیں تو آپ بھی اس کے ماتم میں شریک ہوں۔

اٹھارہ مہینے کا زمانہ گزر چکا کہ ہم نے اس سفر کا اعلان کیا۔ اس اٹھارہ مہینے کے اندر تحریک خلافت کی کتنی منزلیں ہیں جو ہمارے سامنے آئیں اور ہم طے کر چکے ہیں ہیں اس وقت مسئلہ خلافت پر، مقامات مقدسہ پر، ہندوستان کی آزادی پر جو مسلمان کے لئے ویسا ہی فرض شرعی ہے جیسے تحفظ خلافت) مناسب نہیں سمجھتا کہ ان مسائل پر کچھ عرض کروں۔ اس کے لئے آپ کے پاس خاموش گویائی موجود ہے۔ کہ جو آپ کے دلوں کو متنبہ کر سکتی ہے۔ اس وقت اس جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ احتساب کی نظر ڈالیں۔ اور اس کا اندازہ کریں کہ اس اٹھارہ مہینوں کے اندر جو سفر در پیش آیا تھا۔ ان میں سے ہم نے کونسی منزلیں طے کیں۔ اور آگے کونسی منزلیں باقی ہیں۔

اس بارہ میں آپ کے صوبہ کو علاوہ تاریخی خصوصیت کے اور خصوصیت بھی

حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو آپ ہی کا یہ صوبہ ہے جس کی کانفرنس میں سب سے پہلے اس عمل عظیم کا اعلان کیا گیا ہے جس کو آپ نان کوآپریشن کے نام سے سن چکے ہیں۔ میرٹھ میں جو خلافت کا جلسہ ہوا اس میں مہاتما گاندھی بھی شریک تھے۔ اس میرٹھ کے جلسہ میں سب سے پہلے ترک موالات کو خلافت کمیٹی کی جانب سے بطور ایک عمل دفاع کے اور ایک عمل احتجاج کے اعلان کیا گیا۔ آپ ہی کا صوبہ ہے۔ کہ جس میں سب سے پہلے ہم نے اس سفر کے کوچ کا اعلان کیا اٹھارہ مہینے گزر چکے۔ اٹھارہ مہینے کی مایوسیاں یہ سب گزر گئیں۔ اب ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم اپنے سفر کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک نظر ڈالیں کہ ہم نے اب تک کتنا سفر طے کیا ہے۔ عجب نہیں کہ ہمارے سفر کے متعلق بہت سی کمزوریاں شکوک شبہات جو ہم میں سے بعض کے دلوں کے لئے موجب خلش ہوا کرتے ہیں دور ہوجائیں عجب نہیں کہ نظر ڈالنے کے بعد خود بخود ان کا ازالہ ہو جائے۔

اس پر نظر ڈالتے ہوئے سب سے پہلے آپ کو یہ حقیقت اپنے سامنے لانی چاہیئے کہ اس سفر سے آپ کا مقصد کیا تھا۔ اور سعی و قربانی کا جو میدان آپ کے سامنے پیش آیا تھا کیا تھا؟۔ اس میں ایک بڑی عالمگیر غلطی ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ وہ محض چند قوموں سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ نوع انسان کی غلطی ہے۔ انسان جب کسی کام کے لئے قدم اٹھاتا ہے۔ تو وہ اس میدان کو ڈھونڈھتا ہے جو اس کے وجود سے باہر ہو اور جو سب سے پہلا میدان اس کے سامنے ہے اس کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ ہم متعین کریں کہ مقصد خلافت کے لئے مدافعت کا جو میدان تھا وہ کونسا تھا۔ کیا وہ میدان وہ تھا جو ہندوستان کے رقبہ سے باہر ہے۔ یا اس کے علاوہ دوسرا میدان بھی تھا۔ اس باب میں فی الحقیقت دو میدان تھے۔ جو آپ کو پیش آئے تھے۔ پہلا میدان جو آپ کی کامیابی کے لئے اولین قیام گاہ تھا، وہ میدان ہندوستان سے باہر کا میدان نہ تھا۔ وہ عراق، شام، ایشیائے کوچک اور سمرنا کا نہ تھا۔

[illegible]

کو پیش آئی۔ ضرورت تھی۔ کہ یہ تحریک صرف سات کروڑوں کو گھر نہ بنائے۔ بلکہ تیس کروڑوں کو اپنا گھر بنائے۔ یہ ہندو بھائی ہمارے کندھے سے کندھا جوڑ کر شریک ہو جائیں۔ اور ان کی ہمدردی بھی اس تحریک میں شامل ہو جائے۔ اس لئے نہیں کہ فی الحقیقت مسلمانوں کے مطالبات کی کامیابی اس چیز پر موقوف تھی کہ ہم اپنے بھائیوں کو اس مدد کی زحمت دیتے بلکہ ہم میں سے ہر شخص جس کے دل میں ایمان موجود ہے۔ اس کو یہ یقین ہونا چاہیئے۔ کہ اس دنیا میں کسی مقصد کی کامیابی محض انسانوں کی تعداد پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ہر تحریک کی کامیابی ایمان اور عمل کی طاقت پر موقوف ہے۔

اس سے پہلے بارہا میں اعلان کر چکا ہوں اور آج بھی اعلان کرتا ہوں کہ در حقیقت اس مقصد کی کامیابی کے لئے ہندوستان کے کسی رقبہ میں کسی ایک بھائی کو ہم اس امر کی زحمت دینے کے لئے مجبور نہ تھے کہ وہ ہم کو مدد دیتا۔ اگر مسلمان کامیابی حاصل کر سکتے تھے تو اللہ پر اعتماد کر کے، اللہ کی نصرت پر، اپنے ایمان پر اعتماد کر کے۔ لیکن بلا شبہ جبکہ مسئلہ کی صورت کا یہ حال تھا تو اس کے ساتھ ہی اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ تحریک خلافت کے ضمن میں خود ہندوستان کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تھا جس وقت تک ملک میں کوئی عام تحریک پیدا نہ ہوتی۔ اور فی الحقیقت تحریک خلافت کی کامیابی میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس نے ایسے طاقتور ہنگامے کے ساتھ کل ہندوستان کے مسئلہ کو زندہ کر دیا۔ کہ جو چالیس سال کی کوشش سے ہندوستان کو نہ ملا تھا۔

اس کامیابی کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں صرف تحریک خلافت ہی موجود نہیں ہے بلکہ ہندوستان کا مسئلہ پوری طاقت کے ساتھ زندہ ہو گیا ہے اس مسئلہ کی کامیابی کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ یہ تحریک صرف سات کروڑ کی تحریک نہ ہوتی بلکہ اس کے ضمن میں عام ہندوستان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ

اٹھتی اور عام مسئلہ پیدا ہو جاتا۔

اگر آپ کے دل مایوسی میں ڈوبے ہوئے ہیں تو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ امید دلاؤں کہ یہ مسئلہ خلافت کی دوسری منزل ہے جس میں آپ نے کامیابی حاصل کی ہے میں اس منظر رفاقت کو ایک منٹ کے لئے فراموش نہیں کر سکتا کہ جونہی مسئلہ خلافت ہندوستان میں چھیڑا گیا، ہندوستان کے تمام گوشوں سے ہمارے ہندو بھائیوں نے کامل صداقت کے ساتھ تحریک خلافت کا استقبال کیا۔ اور اپنی تمام ہمدردیاں اس کے لئے وقف کر دیں۔

لیکن جہاں تک اس کا تعلق ایک ملکی مسئلہ سے ہے وہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلہ کے محرک چند افراد تھے جن میں نام زیادہ جاتا تھا گاندھی جی کا کہ وہ اس تحریک کے اولین اور سب سے بڑے قابل عزت بزرگ تھے کہ جنہوں نے اس تحریک کا ساتھ دیا مگر اس وقت تک اس مسئلہ نے تمام ہندوستان کے قومی مسئلہ کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن اللہ تعالے نے یہ سامان کر دیا کہ تحریک خلافت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے ضروری تھا۔ تحریک خلافت کی روشنی نے ہندوستان کے چراغ کو روشن کر دیا۔ یہ مسئلہ خلافت کی تیسری فتحمندی تھی جو اس کو ہندوستان کے میدان میں حاصل ہوئی۔

ہندوستان کے لئے، ہندوستان کی آزادی کے لئے صداقت و حق پرستی کے بہترین اور اعلےٰ فرض ادا کرنے کے لئے، ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کا اتفاق اور ان کی یکجہتی ضروری ہے۔ میرا قصد نہ تھا کہ مستقل طور پر اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہوں کیونکہ الحمد للہ یہ مسئلہ عمل تک پہنچ چکا ہے۔ اب اس امر کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اس پر بحث کی جائے لیکن چونکہ تحریک خلافت کی تیسری منزل کے ضمن میں یہ مسئلہ چھڑ گیا ہے۔ لہٰذا آپ اجازت دیجئے کہ میں کچھ اس کے متعلق کہہ دوں۔

ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ اگرچہ اپنے سیاسی مسئلہ ہونے کے لحاظ سے

ہندوستان کی نجات کے لئے ایک ضروری مسئلہ رہا ہے لیکن یہ مسئلہ آج تحریک خلافت کی بدولت ہی ہمارے سامنے نہیں آیا ہے۔ بلکہ ہندوستان میں ایسے لوگ موجود تھے کہ تحریک خلافت کی بنا پر نہیں بلکہ چونکہ انہوں نے اپنی ہدایت کے لئے ، اپنی ہر فکر اور ہر کام کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہدایت کا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ اس لئے اسلام کے اصولوں نے ، اسلامی تعلیم نے اُن کو مجبور کیا تھا۔ کہ اُس کا ہندوستان میں اعلان کریں۔ تحریک خلافت سے تقریباً دس سال پہلے میں نے اس حقیقت کو محسوس کیا کہ اگر ہندوستان کے مسلمان اپنے بہترین شرعی اور اسلامی فرائض انجام دینا چاہتے ہیں تو بحیثیت ہندوستانی ہونے کے انہیں انجام دینا چاہیئے۔ یہ بھی ایک سچی حیثیت ہے مگر سب سے پہلی حیثیت جو ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت ہندوستانی ہونے کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ہو جائیں۔

میں اپنے سینہ میں وہ دل رکھتا ہوں کہ جس کے لئے ہدایت کی کوئی شعاعیں نہیں ہو سکتیں جو فاطر السمٰوات نے نہ بھیجی ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان کے مسلمان اپنے بہترین فرائض انجام نہیں دے سکتے جب تک وہ احکام اسلامیہ کے ماتحت ہندوستان کے ہندوؤں سے پوری سچائی کے ساتھ اتحاد و اتفاق نہ کریں۔ مگر یہ اعتقاد قرآن مجید کی نص قطعی پر مبنی تھا۔ فی الحقیقت یہ وہ چیز ہے جو اگر ایک طرف ترک موالات کے اصول کو ہمارے سامنے نمایاں کرتی ہے۔ تو دوسری طرف ہندو مسلمانوں کے مسئلہ کو واضح کرتی ہے۔

ترک موالات کے ضمن میں قرآن مجید کے احکام کیا ہیں۔ موالات ولایت سے ہے ولایت کے معنی ہیں محبت ، اعانت اور نصرت کے۔ تو ترک موالات کے معنی ہوئے ، مددگاری کے ہر طرح کے تعلقات کو منقطع کر لینا جب تک وہ جماعت اپنے ظلم سے باز نہ آئے۔ اس حکم کی بنا پر قرآن مجید نے دنیا کی تمام قوموں کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ چنانچہ اسکی تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کر دی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ دو قسم کی قومیں

دنیا میں پیش ہو سکتی ہیں۔ ایک تو وہ غیر مسلمان قومیں جو مسلمانوں پر حملہ نہیں کرتیں مسلمانوں کی حکومت اور خلافت پر حملہ نہیں کرتیں۔ ایسی غیر مسلم قومیں کہ نہ تو جنہوں نے حملہ کیا ہے اور نہ مسلمانوں کی آبادیوں اور بستیوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی قوموں کے لئے ایک طرح سے قرآن مسلمانوں کو نہیں روکتا کہ ان کے ساتھ وہ مصالحت نہ کریں اور بہتر سے بہتر اور اچھے سے اچھا سلوک کریں۔ لیکن جن غیر مسلمان قوموں کا یہ حال ہے کہ وہ مسلمان قوموں کے ساتھ قتال کریں، مسلمانوں کو ان کی بستیوں سے نکالیں۔ ایسی غیر مسلمان قوموں کی نسبت بلاشبہ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ اور قرآن مجید کا یہ قانون کامل انصاف اور عدالت پر ہے۔ جسکو خود خدا کی فطرت نے قائم کیا ہے۔ اس عالمگیر اور ہمہ گیر عدالت کی بنا پر قرآن مجید کا یہ اعلان ہے کہ ایسی غیر مسلمان قوموں کے ساتھ کوئی ایسا تعلق جو محبت، دوستی، صلح وفاداری کا ہو اور ہر طرح کی اعانت و نصرت کا ہو نہیں رکھ سکتا۔

لیکن یہ حکم قطعی جو متعدد آیات قرآنی میں موجود ہے۔ اور سورۂ ممتحنہ میں بھی موجود ہے جس میں فرمایا ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ
يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا
اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ایک منٹ کے لئے اس بات سے
نہیں روکتا کہ جن نا مسلمانوں نے : تو تم
سے لڑائی لڑی ہے، نہ قتال کیا ہے، نہ
مسلمانوں کو ان کی آبادیوں سے نکالا ہے۔ ایسے غیر

مسلمانوں کے ساتھ اتحاد اور ہر طرح کی نیکی کا بہتر سے بہتر سلوک جو وہ کر سکتا ہے کیا جائے

قرآن دنیا میں دشمنی کا پیام نہیں لایا ہے۔ وہ تو محبت کا پیام لایا ہے۔ اس سے محبت کے قائم رکھنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ٹھیک اسی قانون کے مطابق کہ جس کے مطابق عدالت مجرم کو پھانسی کے تختہ پر کھڑا کرتی ہے۔ عمل کیا جائے جو لوگ خدا کی حریت کو توڑنے والے ہیں۔ ایسی غیر مسلمان قوموں کے ساتھ مسلمان کوئی تعلق

محبت، اعانت اور نصرت کا نہیں رکھ سکتا۔

اس تیم کی رُو سے جہاں آپ کے سامنے ترک موالات کا مسئلہ آیا کہ گزشتہ پانچ سال کے اندر وہ واقعات ظہور پذیر ہو گئے ہیں کہ جن کے بعد برٹش گورنمنٹ مسلمانوں کے مقابلہ میں فریق محارب ہو گئی ہے یعنی لڑنے والی فریق ہے۔ میں نے محارب پر زور دیا۔ بہت سے لوگ یہاں محارب اور غیر محارب پر زور نہ دیتے ہیں میں نے غیر محارب اور محارب پر زور دیا۔ برٹش گورنمنٹ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں از روئے شریعت فریق محارب ہو گئی۔ اس لئے اس نص قطعی اور بموجب گیارہ سے زیادہ آیتوں اور مذہب اسلام کے قانون کے مسلمانوں کے لئے یہ حرام اور ناجائز ہو گیا ہے، فسق ہو گیا اور نفاق ہو گیا، مسلمانوں کے لئے یہ قریب قریب کفر ہو گیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ سے اپنی استطاعت کے اندر محبت و اعانت، وفاداری و اطاعت کا کوئی تعلق رکھیں۔ اور اگر وہ کوئی تعلق اس طرح کا رکھیں گے تو ایک منٹ کے لئے ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کی صف میں جگہ دیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ جو مسلمان ایسے وقتوں اور ایسی حالتوں میں محارب قوم کے ساتھ رشتہ موالات رکھے گا۔ اگرچہ وہ زمین میں اپنے آپ کو مسلمان کہے لیکن اللہ کے نزدیک اس کا شمار مومنوں میں نہ ہوگا، کفار میں ہوگا۔

آج بھی میں اعلان کرتا ہوں، اس لئے کہ صلح کی خبریں اڑ رہی ہیں۔ ہر مسلمان کے قلب پر یہ حقیقت نقش ہے اور ہو جانا چاہیئے کہ جب تک انگریزی حکومت اپنے اس ـــــ سے باز نہ آ جائے، مسلمانوں کے معاملات شرعی کو پورا نہ کر دے۔ عراق کی سرزمین اس کی مداخلت سے پاک نہ ہو جائے، قسطنطنیہ سے تمام شرائط اور پابندیاں اٹھا نہ لی جائیں، ہندوستان کو آزادی نہ دی جائے۔ اس وقت تک برٹش گورنمنٹ مسلمانوں کے مقابلہ میں فریق محارب ہے جس وقت تک مسلمانوں کے دل میں ایک ذرہ چنگاری بھی ایمان کی باقی ہے۔ اس وقت تک اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ صلح یا صفائی کا ہاتھ انگریزوں کی طرف بڑھا سکے۔ وہ تمہارے ان آباد شہروں کو چھوڑ کے

[illegible]

- -

- -

- -

- -

[illegible] - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

[illegible]

میں فخر کے ساتھ اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہندو مسلمانوں کا اتفاق تھا میں نے مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ احکام شرع کی رو سے مسلمانوں کے لئے اگر کوئی فریق ہو سکتا ہے جو نہ صرف ایشیا کو، مشرق کو، بلکہ اس تمام کرۂ ارضی کی سچائی کو جو قوت آج چیلنج دے رہی ہے، جو اس کو مٹانا چاہتی ہے، جس کے غرور سے اللہ کی اس عالمگیر صداقت کو سب سے بڑا خطرہ ہے اور وہ برٹش گورنمنٹ کے سوائے کوئی دوسری قوت نہیں ہے۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ احکام شرع کو سامنے رکھ کر حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھ کر جو انہوں نے اہل مدینہ اور دیت پرست لوگوں سے مصالحت کرتے ہوئے دکھایا، وہ نمونہ جو خود جناب سرور کائنات نے عملاً پیش کیا ہے اور عملاً و حکماً جو تعلیم قرآن نے دی ہے ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ فرض شرعی ہے کہ وہ ہندوستان کے ہندوؤں سے کامل سچائی کے ساتھ عہد محبت کا پیمان باندھیں اور ان کے ساتھ مل کر کوشاں ہوں۔

میرے الفاظ یہ تھے کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان، ہندوستان کے بائیس کروڑ ہندو بھائیوں کے ساتھ مل کر ایسے ہو جائیں کہ دونوں مل کر ہندوستان کی ایک قوم اور نیشن بن جائیں۔ آپ میں سے اب مسلمان بھائیوں کو سنانا چاہتا ہوں کہ خدا کی آواز کے بعد سب سے بڑی آواز جو ہو سکتی ہے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان تھی۔ اس وجود مقدس نے عہد نامہ لکھا بجنسہٖ یہ اسکے الفاظ ہیں اِنَّہُمْ اُمَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ ہم ان تمام قبیلوں سے جو مدینہ کے اطراف میں بستے ہیں صلح کرتے ہیں، اتفاق کرتے ہیں اور ہم سب مل کر ایک نیشن بننا چاہتے ہیں، ایک قوم بننا چاہتے ہیں۔

"امت" کے معنی ہیں نیشن، قوم۔ اور "واحدۃ" کے معنی ہیں ایک۔ اگر میں نے اپنی اپیل میں یہ کہہ دیا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنا بہترین فرض اس وقت انجام دیں گے جب ہندوؤں کے ساتھ ایک ہو جائیں گے تو یہ وہ لفظ ہے جو اللہ کے رسول نے اس وقت لکھوایا تھا کہ ہم سب مل کر بمقابل قریش کے ایک نیشن ہو جائیں گے جن مقاصد کی بنا پر

جناب سرورِ کائنات نے یہ عہد کیا تھا، اُس سے زیادہ وجوہات آج آپکے لئے موجود ہیں۔ اگر اُس وقت صرف قریش مکہ کی ایک جماعت تھی۔ جو اسلام کو غربت میں دھکی دے رہی تھی۔ تو آج اس غربت ثانیہ میں مٹھی بھر قریش نہیں، بلکہ کرۂ ارضی کی دو تہائی بسنے والی قومیں اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں۔ اگر مٹھی بھر قریش مکہ کے مقابلہ میں ابوسفیان کے مقابلہ میں، اطراف مدینہ کے تمام قبائل سے اتفاق کر سکتے تھے، تو آج اس عظیم الشان قوت کے غرور، گھمنڈ اور خونخواری کے مقابلہ میں جو تمام مشرق کی آزادی کو پامال کرنا چاہتی ہے ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ اپنے بائیس کروڑ ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک ہو جائیں ؟ ۔

میں یہ سب کچھ کہنے سے مجبور ہوں، کیونکہ یہ ایک نہایت ضروری پہلو ہے اور میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں اگر ایک دو منٹ ان بحثوں کے الجھاؤ میں صرف ہو جائیں۔ اگر میں اس موقعہ پر اس جلسہ میں جس میں خوش قسمتی سے صاحب علم بھی تشریف فرما ہیں۔ اور جن کی موجودگی میرے لئے موجب تقویت ہے میں ان اہل علم کو توجہ دلاؤں گا کہ اگر کسی بزرگ کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہو جائے کہ سورۂ ممتحنہ کی تقسیم منسوخ ہے، اُن کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ یہ آیت منجملہ اُن آیات کے شمار کی جاتی ہے کہ جن کو آیۂ سیف نے منسوخ کر دیا ممکن ہے کہ اُن کے دل میں یہ خلش پیدا ہو کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ تو پھر اس سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے میں بلا اُنکی طرف اشارہ کئے ہوئے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ معاملہ نازک ہے۔ ضرورت ہے چشم بصیرت کی، محض اوراق گردانی کافی نہ ہو گی، میں سب سے پہلے ان کو یاد دلاؤں گا کہ ایک نسخ اُصولیوں کا ہے اور ایک نسخ قدما کا ہے۔ اُصولیوں نے جو محدود تعریف کر دی ہے نسخ کی، وہ نسخ کے اسلاف ان صورتوں میں نہیں کرتے، ہر وہ حکم کہ جس کا صرف تعلق اور عموم پر کوئی اثر پڑے۔ قدما اور مختلف صدر اوّل کی اصطلاح میں استدلال نسخ کہا جاتا تھا۔

بلاشبہ اس آیت کا حکم منسوخ ہوا مگر کن معنوں میں ہوا۔ یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ مگر
صرف جزیرۃ العرب کے لئے، مشرکین عرب کے لئے۔ ان منسوخات کیلئے نہیں کہ
جو تمام دنیا کی مشرک اقوام کے لئے ہے، بلکہ یہ ان مخصوص احکام میں سے ہے کہ جو مخصوص
ہوگیا ہے عرب کے لئے۔ امام شافعی اس طرف گئے کہ جزیرۃ العرب کے علاوہ
اور تمام دنیا میں جتنی قومیں موجود ہیں، ان سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ مگر جمہور
اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم صرف جزیرۃ العرب کے لئے ہے اور دنیا کی تمام قوموں
کے ساتھ مسلمان صلح کر سکتے ہیں، اگر وہ اس کے مستحق ہیں۔ بعض مفسرین نے محض لفظ
نسخ دیکھ کر اس کو منسوخات میں شمار کیا ہے، اگر اس کے وہ معنی پیش کر دیئے جائیں گے
تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ پانچ سو سے زیادہ آیات ہیں جو آیۂ منسوخہ سے منسوخ کی گئیں۔
مقصد یہ تھا کہ ایک لمحہ کے لئے یہ سمجھنا کہ یہ حکم آئندہ کے لئے منسوخ ہو چکا ہے،
یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس سے بڑھ کر احکام شرع کے جہل کا اور کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ
وہ حقیقت شرعی ہے کہ جس نے یہ حقیقت ہمارے آگے بے نقاب کی تھی۔ اگر اس میں
ایک طرف اسلام کے فریق محارب کے مقابلہ میں ترک موالات بتایا گیا تو دوسری طرف
یہ حقیقت کھول دی کہ جن قوموں نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا ہے، پیکار نہیں کیا ہے
ان کی آبادیوں پر قبضہ نہیں کیا ہے، اس کیلئے اللہ کی وہ شریعت جو دنیا میں ایک عالمگیر
برادری کا اور محبت کا سبق دے اور اس تمام کرۂ ارضی کو خدا کی محبت کا ایک گھرانہ
بنانے کے لئے آئی ہے۔ محال قطعی ہے کہ وہ ایک منٹ کیلئے حکم دے کہ مسلمان
دنیا کی کسی قوم کے ساتھ محبت اور عہد اتفاق نہ کریں۔

یہ جزیرۃ العرب کے لئے تھا اور اس کے متعلق خدا کی مصلحتیں تھیں کہ اس ٹکڑے
کو مسلمانوں کا مرکز بنانے کے لئے خاص کر دیا جائے۔ اور وہ مسلمانوں کے لئے ایسا گھر
ہو کہ اگر دنیا کے تمام حصوں میں ان کی جڑ ٹوٹ جائے تو یہ جڑ باقی رہے کہ ہمیشہ ابھر سکے
اس لئے ضرورت تھی۔ کہ جزیرۃ العرب کو مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا جاتا۔ اسکے یہ

معنی نہیں کہ یہ آیت تمام دنیا کے لئے ہو۔ دنیا کی تمام قوموں کیلئے منسوخ ہو چکی ہے

بہر حال ہندو مسلمانوں کے اتفاق کے لئے میں آپکے سامنے یہ حقیقت لانا چاہتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے محبت کا ہاتھ، رفاقت کا ہاتھ، یکجہتی کا ہاتھ اپنے ہمسایوں کی طرف بڑھایا ہے تو یہ ان کا عمل محض وقتی اور دفاعی نہیں ہے، پولیٹیکل چال نہیں ہے۔ بلکہ ان کو یقین کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے محبت کا ہاتھ، خود نہیں کھولا ہے بلکہ ان کے خدا نے اور ان کے قوانین شریعت نے بڑھوایا ہے۔ چونکہ اس کی بنیاد شریعت پر ہے۔ اس لئے عزیزان من یہ سب کچھ ترک موالات کے مسئلے ہی نہیں بلکہ میں سال پیشتر بھی میرا یہی اعتقاد تھا۔

دوستو! میں اپنی زندگی کا اگر کوئی کام سمجھتا ہوں تو وہ یہی ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ میں ہندوستان کے ان انسانوں میں ہوں جنہوں نے انسانوں کو کتاب اللہ کی طرف بلایا ہے میں اپنے لئے کوئی ناچیز خدمت سمجھتا ہوں تو وہ صرف یہی ہے جب مسلمان اپنے ہندو بھائیوں سے تمام کاموں سے الگ، تھے علی گڑھ کی مسلمہ قومی پالیسی یہی سمجھی جاتی تھی کہ وہ ہندوؤں سے الگ رہیں۔ تو میں نے دعوت دی تھی کہ اگر وہ ہندوستان کی زندگی میں بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنے تمام عظیم الشان فرائض انجام دینا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہونا چاہیئے کہ اتفاق کا قدم بڑھائیں اور بائیس کروڑ ہندوؤں کے ساتھ ایک ہو جائیں۔ مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا ان کے مذہبی عمل میں سے تھا۔

بہر حال موضوع بحث یہ تھا کہ تحریک خلافت نے اندرونی میدان میں دوسری صورت میں فتحیابی حاصل کی ہے تو یہ ہے کہ تحریک خلافت کی بدولت ہندوستان کی آزادی کا سویا ہوا مسئلہ اس قوت سے جاگ اٹھا کہ آج اس کا ولولہ دنیا میں بلند ہے۔ اب تیسری منزل فی الحقیقت فیصلہ کن منزل ہے۔ یہ وہ وقت کہ تحریک خلافت نے ہندوستان کی آزادی، پنجاب کے مسئلہ کو جس طرح زندہ کر دیا تھا، اس کے لئے کوئی مذہبی شاہراہ عمل ہوتی اور آپ کے سامنے کھولی جاتی۔ خلافت کمیٹی نے احکام

شرع کے ماتحت اس امر کا فیصلہ کیا کہ ترک موالات مسلمانوں کے فرائض میں سے
ہے لیکن بدبختی سے جہاں مسلمانوں نے اپنے تمام مسائل کو ترک کر دیا ہے یہ مسئلہ بھی
سہو کر دیا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ کو زندہ کیا جائے۔ خلافت کمیٹی نے اس
امر کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے ترک موالات کا اعلان کلکتہ کے اس جلسۂ خلافت میں ہوا جو
فروری ۱۹۲۰ء کو ٹاؤن ہال میں ہوا تھا۔ اور سب سے پہلے اس کی تحریک میری ہی تقریر
میں کی گئی تھی۔ اسکے بعد دہلی میں دوسری مرتبہ سر برآوردہ ہندو و مسلمانوں کا اجتماع ہوا
کہ اس مسئلہ کو بحیثیت قوم کے ہم اختیار کر سکتے ہیں؟ اس سب کمیٹی نے بھی جس میں
مہاتما گاندھی، حکیم اجمل خاں اور میں تھا یہ طے پایا تھا۔ میں نے کہا نہ بحث کی ضرورت تھی
اور نہ کچھ اور۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے آ رہی ہے، پہلے تیرہ سو
سال سے موجود ہے۔ اسکے بعد میرٹھ میں اس صوبہ کا پہلا جلسہ ہوا۔ اور اس میں مہاتما گاندھی
نے اس تحریک کے مختلف اجزا کو پیش کیا اور جو لوگ وہاں موجود تھے وہ تصدیق کریں گے کہ
جو وہاں میں نے اعلان کیا تھا یہی تھا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ پہلی ہی اپیل ہے۔ بلکہ
فی الحقیقت یہ وہ چیز ہے جو تیرہ سو برس سے مسلمانوں کے یہاں موجود ہے۔ اور بحیثیت
مسلمان ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس وقت اس مسئلہ کے
عمل میں اگرچہ خلافت کمیٹی اور تمام اراکین شریک تھے، مسلمانوں کے علماء کی تمام جماعت
شریک تھی لیکن یہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ بلاشبہ چونکہ یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ شکل میں ملک
کے سامنے آیا تھا اس لئے ہندوستان کی جو سب سے بڑی جماعت تھی یعنی انڈین نیشنل
کانگرس، اس نے اس میں شرکت نہیں کی ہیں آپ کو یاد ہوگا اللہ تعالے نے اس
کرم کو کہ یہ تیسری منزل بھی سامنے آئی اور تحریک خلافت نے نہایت کامیابی سے اس
کو فتح کیا۔ ایک معرکہ وہ تھا جو کلکتہ میں گرم ہوا۔ دوسرا وہ تھا جو ناگپور میں گرم ہوا
پہلے دوسرے معرکے میں ہزارہا ہندوستان کے ہندو مسلمانوں نے متفقہ آواز میں جس
میں ایک آواز بھی خلاف نہ تھی، ترک موالات کے ساتھ اتفاق کیا۔ اور یہ تیسری

مگر اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ کے اندر گھمنڈ پیدا ہو جائے اور آئندہ عمل کی قوت جاتی رہے۔ تو پھر یہ کامیابی آپ کے لئے فتمندی نہیں ہے۔ بلکہ ایک کھیل ہے جسکو ہوا کا ایک جھانپڑ اڑا لے جائے گا۔

اس کامیابی کا دارومدار آخری منزل پر ہے۔ جبتک آپ اس کو طے کر لیں گے پہلی کامیابی آپ کے لئے سودمند نہیں ہو سکتی۔ ایک موجب اُمید کا ہے۔ اسکی روشنی میں آپ نے گزشتہ حالات پر نظر ڈالی۔ آپ نے دیکھا کہ بلاشبہ تحریک خلافت کی کامیابی کی بیل بڑھی۔

ایک دوسرا موجب بھی ہے، وہ نااُمیدی اور خوف کا ہے۔ ایمان دو پہلو سے اُڑتا ہے۔ ایک امید کا دوسرا خوف کا۔ یہ ہماری بڑی ناکامیابی ہوگی کہ گزشتہ کامیابیوں کا تصور کرتے ہوئے آنے والی کامیابی کو بھول جائیں۔ بلاشبہ تحریک خلافت نے یہ کامیابی حاصل کی، لیکن ان تمام کامیابیوں کے لئے فیصلہ کن منزل وہ ہے جو تمہارے غفلت سے بھرے ہوئے سروں سے گزر رہی ہے۔ ان گھڑیوں کے اندر ہندوستان کا ہر باشندہ مسلمان، ہندو، پارسی اور عیسائی، ہندوستان کا ہر بسنے والا اور وہ انسان کہ جس نے گنگا اور جمنا کی صاف روانی دیکھی ہے۔ اور ہندوستان کے تاروں بھرے آسمان کو سر پر اٹھائے ہے، ہر ایک کا فرض ہے کہ آنے والی کامیابی کو حاصل کرے۔ اگر اب بھی تمہارے ایمان کے شعلے نہ بھڑکے تو ان گزشتہ کامیابیوں کا افسانہ ایک منٹ کے لئے منزل مقصود تک تم کو نہ پہنچا سکے گا۔

اب آخری منزل آ گئی کہ آج یا تو ہمیشہ کے لئے اُمید کا فیصلہ کرو گے یا ہمیشہ کیلئے ناامیدی کے مدفن میں اس تحریک کو دفن کر دو گے۔ وہ آخری فیصلہ کن گھڑی آپ کے سامنے آ گئی ہے۔ وہ کونسی ہے۔ افسوس کہ وقت کوتاہی کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مسلمان بھائیوں کے سامنے یہ آ جائے کہ کونسی منزل ان کا انتظار کر رہی ہے جب تک یہ پوری صداقت کے ساتھ اس کا دھیان اپنے سامنے نہ لائینگے۔ گزشتہ

[illegible]

کامیابیاں سود مند نہیں ہو سکتیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس منزل کا نقشہ کن لفظوں میں آپ کی آنکھوں کے آگے سنواروں۔

میں دنیا کی تمام قوموں سے قطع نظر کر لیتا ہوں اور مسلمانوں کو دکھانا چاہتا ہوں کہ جبکہ وہ دنیا کے طرح طرح کے اعلانات کی پرستش کر رہے ہیں ان کو یاد کرنا چاہیئے کہ انکے پاس ایک الہامی اعلان ہے جبتک وہ اس تعلیم کو اپنے سامنے نہ لائیں گے انکی کامیابیاں سود مند نہیں ہو سکتیں۔ وہ وہ ہے جس کا اعلان قرآن مجید نے جا بجا کیا ہے وہ ایک مختصر سبق ہے کہ جس کو دہراتے ہوئے میں خاص طور پر اپنے مسلمان بھائیوں سے خطاب کرونگا اور ہندو بھائیوں سے التجا کرونگا کہ وہ خاص اصطلاح سن کر کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ بلکہ اس حقیقت کو ڈھونڈیں کہ خدا کی سچائی ایک ہے اگرچہ طرح طرح کے ناموں میں پیش کی جائے میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی وجود، کوئی روح، کوئی آتما، خدا کا کوئی ذرہ اس آسمان کے نیچے کامیابی نہیں پا سکتا جبتک وہ اس پروگرام پر عمل نہ کرے جو اس نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اگرچہ قرآن نے اس بارہ میں نہایت تفصیلی بیانات دئے ہیں لیکن ایک نہایت چھوٹا بیان بھی ہے کہ جسکی نسبت تاریخ اسلام کے ایک بڑے امام نے جن کا نام امام شافعی ہے، یہ کہا تھا کہ اگر قرآن کے یہ چند جملے نازل ہو جاتے تو تمام کرہ ارضی کی ہدایت کے لیئے کافی تھے۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

تحریک خلافت ہندوستان کی آزادی کی تحریک ہے؟ یہ ایک مقصد ہے جو فتح چاہتا ہے، مراد چاہتا ہے۔ آپ مقصد اور مراد کے ڈھونڈنے والے ہیں، آپ مقصد کے عشق میں آنسو بہانے والے ہیں۔ تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن کا سرا چھے مقصد کے لیئے یہ اعلان ہے کہ اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے لئے انسانوں کی تلاشوں کے لئے جستجوؤں کے لئے اور امیدوں کے لئے بڑی بڑی ناکامیاں ہیں، بڑے بڑے

کمانے ٹوٹتے ہیں۔ لیکن دنیا کی اس عام نامرادی سے کون انسان ہے، کون جماعت ہے کہ بچ سکتی ہے اور ناکامیابی کی جگہ کامیابی پا سکتی ہے۔ ناامیدی کی جگہ امید اس کے دل میں اپنا آشیانہ بنا سکتی ہے۔ وہ کون انسان ہیں؟ وہ انسان کہ جو دنیا میں ان چار شرطوں کو قولاً و عملاً اپنے اندر پیدا کریں۔ جب تک یہ پیدا نہ ہونگی اس وقت تک دنیا میں نہ کوئی قوم کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور نہ ملک۔ حتیٰ کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی دنیا میں کامیابی نہیں پا سکتے۔

ان چار شرطوں کے نام سے گھبرا جانا۔ اگر ایک چیز عربی میں آجائے۔ تو کیا تم انکار کر دوگے اچھا ہے وہ پہچانی ہوئی ہو۔ پہلی شرط وہ ہے جس کا نام قرآن مجید کی بولی میں ایمان ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ تم جبھی کامیابی پا سکتے ہو جب تمہارے دلوں کے اندر اور روح کے اندر وہ چیز پیدا ہو جائے کہ جس کا نام قرآن مجید کی زبان میں ایمان ہے۔

ایمان کے معنی ہیں عربی میں زوالِ شک کے۔ یعنی کامل درجہ کا بھروسہ اور کامل درجہ کا اقرار تمہارے دل میں پیدا ہو جائے۔ جب تک کامل درجہ کا یقین تمہارے دلوں کے اندر نہ پیدا ہو۔ اللہ کی صداقت پر، اللہ کی سچائی پر۔ اللہ کے اصولوں پر جس وقت تک کامل درجہ کا یقین تمہارے قلب کے اندر پیدا نہ ہوگا، کامیابی کا کوئی دروازہ تمہارے لئے نہیں کھل سکتا۔ شک کا اگر ایک کانٹا بھی تمہارے دل میں چبھ رہا ہے تو تم کو اپنے اوپر موت کا فیصلہ صادر کرنا چاہیئے تم کو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تمہارے دل کے اندر ایمان، اطمینان، یقین، جماؤ، تمکن اور اقرار پیدا ہو۔ لیکن کیا محض دل کا یہ کام، دماغ کا یہ فعل، تصور کا یہ نقشہ کامیابی کو پیدا کر دے گا؟ نہیں۔

فرمایا ایک دوسری منزل اس کے بعد آتی ہے۔ جب تک وہ دوسری منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے نہ کر لوگے اس ایک منزل کو طے کر کے کامیابی نہیں پا سکتے۔ اس

کا نام قرآن کی بولی میں عمل صالح ہے ۔ (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) یعنی وہ کام جو اچھائی کے ساتھ کیا جائے جس کام کو جس صحت اور جس طریقہ کے ساتھ کرنا چاہیئے ۔ جو طریقہ کہ اس کے لئے سچا طریقہ ہو سکتا ہے ۔ اس کام کو اس کے ساتھ انجام دینا ۔

قرآن کا یہ اصول تو عام ہے ۔ ایمان کے معنی ہیں وہ یقین ، وہ کامل اطمینان ، وہ کامل اقرار کہ جو عمل سے پہلے پیدا ہوتا ہے جس وقت یہاں ایک چٹیل میدان تھا کوئی وجود اس شامیانہ کا نہ تھا ۔ تمہاری خلافت کمیٹی کے ارکان نے اس وقت یہ شامیانہ نصب نہیں کیا تھا لیکن اس وقت بھی یہ شامیانہ مع ان چمکتی ہوئی لالٹینوں کے موجود تھا ۔ کہاں ؟ ان کے دماغ میں ۔ وہ چیز جو ان کے دماغ میں موجود تھی ۔ وہ ارادہ جو انکے دماغ میں پیدا ہوا تھا وہ پہلی منزل ہوئی ۔ جو مذہب میں آکر ایمان کا نام اختیار کر لیتی ہے ۔ بالکل جیسے وہ عمل دماغ ہے ، وہ عمل تصور و یقین ہے ، اسی بنا پر سب سے پہلی منزل ایمان کی ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے کہ تمہارے دل کے اندر سچا ارادہ پیدا ہو ، سچا عزم پیدا ہو ۔ دوسری منزل یہ ہے ، عملوا الصلحت ۔ صرف دماغ کی منزل طے کر کے قدم نہ ٹھہر جائیں بلکہ عمل بھی کرو اور وہ جو صالح ہو ۔ یعنی جو صحیح طریقہ ہے اس کام کے انجام دینے کا ۔ جب اس کو پورا کر لیا تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ فتح مندی اور کامیابی کی دو منزلیں تم نے کامیابی کے ساتھ طے کر لیں ۔ مگر پھر کیا تمہارا کام ختم ہو گیا ؟ اس کے بعد کیا تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے ؟ قرآن کی عالمگیر صداقت کہتی ہے کہ نہیں ۔ بلکہ دو منزلوں کے بعد دو منزلیں اور بھی باقی ہیں ۔ اپنی ہمت تو آزما لو کہ ان کے لئے تم تیار ہو یا نہیں ۔ تمہاری کمر ہمت مضبوط ہے یا نہیں ۔ اگر نہیں ہے تو ممکن ہے کہ یہ دو منزلیں تمہارے لئے سود مند نہ ہوں ۔ وہ دو منزلیں یہ ہیں جو قرآن مجید نے فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح ان کے اندر پیدا ہوں ۔ لیکن کیا ایک کڑی کے درست کر لینے کے بعد زنجیر کا پورا کام ہو گیا ۔ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں ۔ تم کیا ہو ۔ اس بکھری ہوئی شکل میں بیکار ہو ۔ اس میں تمہارا کوئی وجود نہیں ۔ قرآن وجود بنانا چاہتا ہے

[illegible]

[illegible]

بے عزتی کو، بیچارگی کو، باطل پرستی کو قبول کرو۔ صبر کے معنی بالکل اس سے مختلف ہیں۔ صبر کے معنی ہیں برداشت کے، صبر کے معنی ہیں جھیلنے کے، صبر کے معنی ہیں تحمل کے۔ جو قدم تم مقصد کی راہ میں اپنے محبوب و پیارے مقصد کے لئے اٹھاؤ۔ اور اس میں طرح طرح کی مصیبتیں آئیں، طرح طرح کی ذلتوں کی صورتیں آئیں، زنجیر اور ہتھکڑیاں آئیں بلکہ ممکن ہے کہ تمہارے سامنے تختہ آوے اور اس پر ایک پھندا لٹکے یہ سب تمہارے سامنے آئیگا۔ لیکن اگر تم حق کے پرستار ہو تو تمہارا فرض ہونا چاہیئے کہ تمہارے اندر صبر ہو، تمہارے اندر برداشت کی وہ اٹل طاقت ہو وہ پہاڑ جیسا بلند جنت کا تمہارے اندر موجود ہو کہ دنیا کی کوئی مشکل، کوئی تاج و تخت اس پر فتح یاب نہ ہو سکے۔ یہ معنی صبر کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے مواقع استعمال پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ ہر جگہ صبر کے یہی معنی ہیں۔

مقصد یہ تھا۔ کہ قرآن مجید نے جو صداقت نوع انسان کے آگے کامیابی کے لئے پیش کی ہے اور اب سے تیرہ سو برس پیشتر جو ایک اٹل اور لازوال پروگرام بنا دیا ہے یہ اس کی چار دفعات ہیں۔ اگر وہ کوئی سفر ہے تو یہ اس کی چار منزلیں ہیں۔ ہم کو ایک منٹ کے لئے غور کرنا چاہیئے۔ کہ کیا دنیا میں کوئی کامیابی بلا ایمان مل سکتی ہے۔ کیا تم شک کا روگ اپنے پہلوؤں میں لے کر دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی پا سکتے ہو۔ کیا تم دنیا میں ایک مٹھی بھر جو اور چاول بھی پا سکتے ہو؟ جب تک تمہارے اندر طلب کے لئے حق نہ ہو۔ کیا ایک لمحہ کے لئے دنیا کی کوئی کامیابی اپنا چہرہ تمہیں دکھا سکتی ہے۔ جب تک تم حق کی راہ میں قربانیاں چڑھانے کے لئے تیار نہ ہو۔ خدا کی اس کائنات کے ایک ایک ذرہ کے اندر اس حقیقت کی عالمگیر تصدیق موجود ہے۔ اور اس دنیا میں کامیابی کا کوئی چہرہ نہیں دیکھ سکتا جب تک وہ ایمان، حق اور صبر کی منزل سے نہ گزرے۔ اللہ کا ہر قانون ہر اڑنے والے پرندے کے لئے ہے۔ کیا خدا اپنا قانون تمہارے لئے بدل دیگا؟ کیا خدا تمہاری غفلتوں کا ساتھ دیگا؟ اگر تم اپنی غفلت

کی وجہ سے اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہو تو تم سے بڑھ کر اپنی موت کی طرف جانے والا کوئی نہیں ہے۔

میرے دوستو! آج ہمارا پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی گزشتہ کامیابیوں کے افسانے نہ دہرائیں۔ بلکہ ہر شخص اپنے عمل کا احتساب کرے اور اپنے دل سے پوچھے کہ کیا واقعی اس کے دل کے اندر ایمان کا بجھا ہوا چراغ روشن ہو گیا؟ کیا واقعی اس کے اندر عمل صالح پیدا ہو گیا؟ کیا واقعی اس کے اندر حق پیدا ہو گیا؟ اب اس پروگرام میں آخری منزل قربانی کی ہے۔ اگر اس کے لئے تیار ہو۔ تو اللہ کی کامیابی تمہارے استقبال کے لئے تیار ہے۔ اگر ایمان ہمارے اندر پیدا نہیں ہوا ہے۔ اگر اب تک ہمارا دل شک سے خالی نہیں ہے، اگر ہمارے دل کے اندر حق کا یہ پہلا احساس نہیں پیدا ہوا ہے، تو جو کچھ کہ ہم کر رہے ہیں اگر یہ سچ ہے۔ تو ضرور ہے کہ کامیابی نہ ہو۔ اور دنیا کی ساری طاقتوں کو اس کے مقابل میں فتح ہو۔ اگر اللہ کی چوکھٹ سے بھاگے ہوئے سر اس کے آگے پھر نہ جھکے ہوں۔ تو پھر کونسی شے ہے جو تمہاری چوکھٹ پر آ کے گی اور تمہاری گتھی کھل جائے گی۔ اگر اب بھی تم ایمان، توصی حق، عمل صالح اور قربانی کے لئے تیار نہیں ہو تو تم کو حق نہیں ہے کہ تم خدا کی زمین میں کامیابی کو ڈھونڈو۔

میں اب یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت یہ جو میں نے کہا، یہ وہ شرائط ہیں کہ جن کو نہ اول کہا جا سکتا ہے نہ آخر۔ جب تک یہ چار چیزیں ہمارے اندر پیدا نہ ہوں گی۔ یہی چار چیزیں تھیں، جو ہماری تمام کامیابیوں کے لئے علت تھیں جن کو تمام کرہ ارضی میں دشمن پامال کرتے کرتے نہ کر سکے جس طرح یہ شرائط اسلامی آپ کے لئے ضروری ہیں، اسی طرح آپ کو خبردار ہونا چاہیئے کہ جو آپ نے عمل ترک موالات کا شروع کیا تھا اس کے متعلق جو منزلیں سامنے آئی تھیں۔ جب تک اس منزل کو آپ کامل ایمان، عمل صالح، کامل قربانی کے ساتھ انجام نہ دیجئے باقی منزلیں آپ کے سامنے نہیں آ سکتیں۔ جب کوئی مقصد کسی کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ تو وہ پوچھتا ہے کہ اس

کا انجام کب ملے گا۔ وہ عوام فرض کے معاملہ کو دکانداری بناتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں
نتیجہ کب نکلے گا۔ فرض اس امر کا محتاج نہیں ہے۔ کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ اگر فرض فرض ہے
تو ہمیں چاہیئے کہ ہم پورا کریں۔ نتیجہ پر غور کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ دنیا میں بیج ہے،
زمین ہے، انسان ہے اور اس دنیا پر خدا بھی ہے۔ کیا تم خدا کا کام خدا کی زمین پر
کر سکتے ہو؟ تم تو یہ کر سکتے ہو کہ تمہاری جھولی میں جو دانہ ہے، زمین کے سپرد کر دو
پھر وہ خدا ہے جو اپنی رحمت کو بھیجتا ہے۔ اور اپنے بادل کو برساتا ہے۔ اور جو بیج
تم نے زمین کے سپرد کر دیا تھا اس کو بارآور کرتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ زمین صحیح
ہو، دانہ سچا ہو۔ اگر تمہارے ایمان کا دانہ سچا ہے۔ اور اپنے دل کی جس سرزمین میں
ڈالا ہے وہ سرزمین شور نہیں ہے تو ضرور ہے کہ وہ زمین کے پردے کو چاک کریگا
اور اپنی کامیابی کا سر نکالے گا۔ اگر اس وقت میں آپ کے سامنے یہ لاؤں کہ جو
ایمان کے علاوہ، عمل صالح کے عام اور عالمگیر اصول کے علاوہ، ترک موالات
اور تحریک خلافت کے سلسلہ میں جو کام پیش ہیں۔ وہ کونسے ہیں۔ تو میرے دوستو!
جلد بازی سے کام نہ لینا کہ وہ کام آج تحریک خلافت کے لئے کیا مفید ہو سکتے ہیں؟
تمہارا فرض یہ نہیں ہے کہ تم ان کاموں کو اختیار کرو جو تحریک خلافت کے لئے مفید ہیں!
بلکہ تمہیں چاہیئے کہ تم وہ کام کرو کہ جو تمہارا فرض ہے۔ قربانیوں کی جو پہلی منزل تھی جب
تک قدم اس منزل کے آگے نہ بڑھ جائے دعویٰ قربانی نہیں مانا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ میری طرف نہ دیکھو، اپنے گریبان کی طرف دیکھو۔ وہ کپڑا جو
تمہارے جسم پر ہے اور وہ باریک ململیں جو تم نے اپنے جسموں پر لپیٹی ہیں۔ ان سے کتنی
بڑی خدمت اپنے دشمنوں کی تم انجام دے رہے ہو۔ تمہارے ملک سے نوے
کروڑ روپیہ ہر سال ان کپڑوں کے ذریعہ ان خزانوں میں جاتا ہے جو پانچ سال سے اسلام
کے مٹانے میں صرف کیا جا رہا ہے۔ ترک موالات میں اس سے بڑھ کر کوئی اور مسئلہ
ہو سکتا تھا۔ تمہارے عمل کے لئے یہ علت نہیں ہو سکتی کہ تم دوسروں کو کتنا نقصان

پہنچا سکتے ہو تمہارے لئے سچا اصول یہ ہے کہ تم اپنے دل کو کتنا فائدہ پہنچا سکتے ہو تمہارا پہلا فرض یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ اپنے کو کتنا فائدہ پہنچا سکتے ہو۔ اور تمہاری کامیابی کے لئے خلافت کے لئے سوراج کے لئے پہلی چیز یہ تھی۔ کہ ملک کے اندر اپنی قربانی کا ولولہ پیدا ہو۔ مقصد کے لئے، ملک کے لئے، حق کے لئے تکلیف اٹھانے کا ایک ولولہ پیدا ہو۔ اس وقت ضرورت تھی کہ قربانی کا سبق آئے۔ جو سبق تمہارے سامنے آیا وہ جان، گردن اور رگوں کا نہ تھا محض ان کپڑوں کا تھا۔ اگر اس کو تم کامیابی کے ساتھ طے نہیں کر سکتے، اگر تمہارے دل میں اتنا عشق نہیں ہے کہ تم ان باریک کپڑوں کو چھوڑ کر موٹے کپڑے پہن سکو۔ تو کیا تمہارے دل میں یہ آ سکتا ہے۔ کہ تم خدا کی زمین میں بسنے کی ہمت کرو۔ غیر ملکی کپڑوں کا بائیکاٹ جب تک ملک کی اس منزل کو طے نہ کرو قربانی کی کوئی منزل سامنے نہیں آ سکتی تیئیس ستمبر کا زمانہ خلافت کمیٹی نے اسی لئے قرار دیا تھا۔ مگر ہماری کامیابیوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دردانگیز داغ نہیں ہو سکتا۔ کہ تیئس ستمبر کی صبح آئی اور ہماری غفلت پر رو کر چلی گئی۔ اب تک وہ لباس موجود ہے جس کی وجہ سے ہندوستان غلام بنایا گیا جس کے ذریعہ ان کے بہترین مقاصد پامال کئے گئے۔ کیا ہم کو حق پہنچتا ہے۔ کہ ہم کہیں کہ ہم اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر تم اپنی جانیں قربان کر سکتے ہو قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے لباس کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہم میں سے ہر ایک مسلمان اور ہندو کا سب سے بڑا پاک اور اشرف فرض ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو اس معاملہ کو کامیابی تک پہنچا دیں۔ جب تک یہ منزل طے نہ ہوگی اور کوئی منزل ہمارے سامنے نہیں آ سکتی۔ خصوصاً مسلمانوں کے لئے ایک بڑا کام جو ان کے جسم کی قربانی سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ معاملہ ہے کہ وہ ان باریک کپڑوں کو جو مانچسٹر اور لنکا شائر سے آتے ہیں۔ اور ان کے ملک کو تباہ کر رہے ہیں، ان کو اتار دیں اور ان کو اپنے لئے جائز نہ رکھیں۔

دوسرا کام اُن کے لیے اس جسم کی قربانی کے ساتھ ان کے سامنے پیش کرتا ہوں وہ کونسی قربانی ہے ؟ میرے دوستو! وہ مال کی قربانی ہے جس کے لئے تمہیں تیرہ سو برس سے پکارا جاتا ہے کہ اپنی جانوں اور مال کو سچائی کی راہ میں قربان کرو۔ اگر آج مسلمانوں کے بس میں اتنا نہیں ہے کہ وہ سمرنا پہنچیں اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں اپنی لاشیں تڑپائیں۔ اگر آج مسلمانوں کی قسمت میں یہ دولت نہیں لکھی ہے تو کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ وہاں کے مسلمان بھائیوں کی روپیہ سے بھی مدد نہ کریں ہندوستان کا کوئی مسلمان اپنے کو مسلمان کہنے کا حق نہیں رکھتا، جب تک وہ زیادہ سے زیادہ اپنے مال کو آج حکومت انگورہ اور مجاہدین انگورہ کے لئے قربان نہ کر دے۔

یا شبہ مرکزی خلافت کمیٹی کا یہ فرض تھا۔ کہ وہ سب سے پہلے اس امر کی تکمیل کیلئے کوشش کرتی۔ لیکن طرح طرح مشکلات حائل تھیں۔ ضرورت تھی کہ قیمتی روپیہ ہندوستان میں فراہم ہو۔ اس کو براہ راست غازی مصطفےٰ کمال پاشا تک پہنچانے کا مرکزی خلافت کمیٹی کوئی انتظام کرتی اور ملک کو دعوت دیتی۔ الحمد للہ مرکزی خلافت کمیٹی نے اس کا انتظام کر لیا۔ کہ اس پیسہ کو جو ہندوستان میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا کیلئے دیا جائے وہ براہ راست غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے نام بھیجے اور براہ راست ایک سیدان کے ہاتھ کی حاصل کر لے۔ چنانچہ دس ہزار کی ایک قسط حال میں بھیجی گئی۔

مرکزی خلافت کمیٹی نے آج مسلمانوں کو دعوت دی ہے۔ کہ ان کا فرض ہے کہ وہ انگورہ کے لئے اپنے مال کو قربان کریں۔ اور انگورہ و خلافت کے لئے اپنے جسم کو تھوڑا سا نقصان پہنچائیں۔ بدیسی کپڑے کو ترک کر دیں۔ اور اپنے گھر کے صندوقوں کو صرف دیسی کپڑے سے بھریں۔

برادرانِ عزیز! یہ چند منتشر کلمات تھے۔ کہ جن سے میں اس موقع پر اس مجلس میں آپ حضرات کی تواضع کر سکا۔ افسوس ہے کہ باوجود اختصار کے اپنے خیالات

کی رَو میں بہتا چلا گیا اور محسوس نہ کیا کہ رات کا بہت حصہ گزر چکا ہے۔ اس حالت
میں بہتر نہیں ہے کہ آج کے جلسہ کی کارروائی کو زیادہ طول دیا جائے۔ آج کے
جلسہ میں سب سے پہلے دو نہایت اہم تجویزیں تھیں جن کو افتتاحی تقریر کے
ضمن میں عرض کرنا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اب وقت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور اب
موزوں نہیں کہ جلسہ کی کارروائی کو زیادہ طول دیا جائے۔ اس لئے آج کا جلسہ
ختم کیا جاتا ہے۔ اور کل کا اعلان ہے کہ صبح آٹھ بجے جلسہ کی دوسری نشست ہوگی
امید ہے کہ آپ حضرات اسی جوش و عمدگی کے ساتھ اس جلسہ میں بھی حصہ لیں گے
کہ جس عمدگی کے ساتھ اس جلسہ میں آپ نے حصہ لیا ہے۔ اس لئے کہ نہایت
ضروری اور اہم گزارشات ہیں جو اس میں عرض کی جائیں گی۔ اس اعلان کے
بعد آج کے جلسہ کے اختتام کا میں اعلان کرتا ہوں ♦

اجلاس عام

خطبہ اتحادِ اسلامی

۲۷ اکتوبر ۱۹۱۴ء

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ (۲۵)

برادرانِ اسلام! عرصہ کی خاموشی کے بعد پھر میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں!

تحقیق حالِ ما ز نگہ میتواں نمود　　لختے ز حالِ خویش بسیما نوشتہ ایم

آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہے کہ بعض اصحاب خاص سے اس عاجز نے عام مجالس کی شرکت قطعاً بند کر دی تھی۔ اور گذشتہ (حذرپور) کی مجلس میں التجا کی تھی۔ کہ آئندہ اس خدمت سے معاف رکھا جاؤں، ارکان انجمن نے اس کی نسبت ایک خط لکھا تو پہلے توجی میں آیا۔ کہ معذرت کے ساتھ انکار کر دوں۔ لیکن اس کے بعد سوچا کہ وقت تو وہ آگیا ہے جب گونگے بولنے لگیں، اندھے دیکھنے لگیں، لنگڑے چلنے لگیں اور بہرے سننے لگیں کیونکہ اسلام اپنے ہر پیرو سے

اُس کے آخری فرض کا طالب اور اُس شے کا خواستگار ہے جس کے بعد اُس کے ذمے اور کچھ باقی نہ رہے گا۔ اور وہ توحید الٰہی کے حق سے سبکدوش ہو جائیگا پس جو زبان نہیں بول سکتی۔ اس کو بھی بولنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ اور جو قدم نہیں اُٹھ سکتا۔ اس کو بھی چلنے کے لئے اُٹھنا چاہیئے۔

توحید اخوت اسلامی و عموم رشتۂ دینی

قرآن حکیم نے توحید الٰہی کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو سراج منیر سے ملقب کیا اور اُن کے خصائص کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○

(۲۳-۴۶)

اے پیغمبر بیشک ہم نے تم کو شہادت دینے والا بشارت پہنچانے والا غفلت و خباثت سے خوف دلانے والا راہِ الٰہی کی طرف داعی اور ایک نورانی مشعل بنا کر بھیجا ۱۲

لیکن ایک دوسرے موقع پر آفتاب کو بھی سراج کے لقب سے یاد کیا ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا

اور آسمان میں خدا نے چاند کو بھی بنایا جو ایک نور ہے اور سورج کو بھی بنایا کہ وہ ایک روشن مشعل ہے اس مماثلت اور اشتراکِ تشبیہ سے مقصود یہ تھا۔ کہ اسلام کی دعوت بھی اس آفتاب مادی کی طرح ایک آفتاب روحانی ہے۔ جب آفتاب نکلتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت میں کوئی تمیز نزدیک و دور، اعلےٰ و ادنےٰ، سیاہ و سفید، باغ و دشت کی نہیں ہوتی۔ اس کی روشنی بلا تمیز مکان و مقام ہر شے پر چمکتی اور حرارت پذیر وجود کو گرم کرتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال اس آفتاب دعوتِ الٰہی اور نیرِ درخشاں سماء رسالت کی عمومِ فیضان بخشی کا تھا۔ جو گو سیرت

سے چلا۔ مگر فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا جس کی کرنوں میں داہنی جانب شریعت الٰہی
کی نور و کتاب مبین تھی۔ جبکہ بائیں جانب قیام عدل میزان کی شمشیر آبدار چمک رہی
تھی جس کا طلوع کائنات میں ظلمت کی شکست اور روشنی کی دائمی فیروزمندی
تھا۔ کیونکہ آسمان ہدایت پر شریعت الٰہی کے گو سینکڑوں ستارے نمودار ہوئے
تھے لیکن تاریکی کی آخری شکست کے لئے دنیا کو آفتاب ہی کے طلوع کا انتظار
ہوتا ہے۔"

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ (۹۲:۱)

رات کی قسم جبکہ اس کی تاریکی کائنات کی تمام اشیا کو چھپا دیتی ہے اور روز
روشن کی قسم جبکہ آفتاب کی تجلی تمام کائنات کو روشن کر دیتی ہے اور دراصل اس
خالق کی قسم جس نے تخلیق عالم کے لئے نر اور مادہ کا وسیلہ پیدا کیا۔

اس آفتاب توحید نے طلوع ہوتے ہی تفرق و انشقاق کی تمام تاریکیوں کو
مٹا دیا۔ اس کی روشنی کی فیضان بخشی نے اسود و ابیض اور عرب و عجم کی کوئی تمیز
نہ رکھی۔ خدا کی ربوبیت کی طرح اس کی رحمت بھی عام تھی۔ وہ رب العالمین تعالیٰ پس
ضرور تھا کہ اس کی راہ کی طرف دعوت دینے والا بھی رحمۃ العالمین ہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱:۱۰۷)

اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کے لئے رحمت قرار دیکر۔
انسانوں کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خدا فراموشی تھی۔ کہ اس نے رشتہ
خلقت کی وحدت کو بھلا کر زمین کے ٹکڑوں اور خاندان کی تفریقوں پر انسانی رشتے
قائم کر لئے تھے۔ خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی اتحاد کے لئے تھی۔ قوموں کے باہمی
اختلافات، نزاعات کا گھر بنا دیا تھا لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے جس
نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں بلکہ الٰہی تعمیر کی وحدت پر ایک عالمگیر
اخوت و اتحاد کی دعوت دی اور کہا کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن

ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ **ترجمہ**: سب لوگو ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ ورنہ در اصل یہ تفریق و انشعاب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں اور امتیاز اور شرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اس کو وہ کسی انسانی تفریق و تقسیم کی حد نہیں قرار دیتا۔ انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے وہ ایک ہے پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہیئے، اگرچہ سمندروں کے طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس و نسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (۲۳-۵۵)

بیشک تمہاری جماعت ایک ہی اُمت ہے اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں۔

اے برادران ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوت اسلام کی وحدت تھی جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا تھا۔ اسلام نے ریگستان حجاز میں ظہور کیا مگر صحرائے افریقہ میں اُس کی پکار بلند ہوئی۔ اس کی دعوت کی صدا جبل بوقبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی، مگر دیوار چین سے صدائے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کی بازگشت گونجی، تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ و فرات کے کنارے پیروان اسلام کے نقش قدم گن رہی تھیں۔ عین اسی وقت گنگا او

جمنا کے کنارے سیکڑوں ہاتھ تھے جو خدائے واحد کے آگے سربسجود ہونے کے لئے وضو کر رہے تھے یہ تمام دنیا کی مختلف قومیں زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے جن کو شیطان رجیم کی تفرقہ اندازیوں نے ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا۔ لیکن خدائے رحیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک امی صلعم کے ذریعہ پھر ایک جگہ جمع کر دیا اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے منا دیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج و راحت ہو گئے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ ترجمہ:۔ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر نازل کی گئی۔ جبکہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اسلام نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی۔ اور دشمن کی جگہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے۔

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے ہر انسان جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا بمجرد اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا۔ خواہ مصری ہو خواہ نائجیریا کا حبشی ہو خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس ایک خاندان توحید کا عضو ہے جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔

دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کر دے ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت، خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا و محبت ٹوٹ جائیں۔ مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان

سے ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو ملک معظم کے صحیح النسب قریشی سے پیوستہ و یک جان کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے جو اُسے توڑ سکے، اور اس زنجیر کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزانِ ملت! اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلۂ اسلام!! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروانِ اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی تو تعجب ہے اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں، اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان سات کروڑ زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو، اگر مراکش میں ایک حامیٔ وطن کے حلق بریدہ سے ایک خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے تو ہم کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ ہمارے منہ سے دل و جگر کے ٹکڑے نہیں گرتے! ایران میں اگر وہ گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں جن سے آخری ساعت نزع میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی۔ تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو، اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظین کلمہ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھد رہے ہیں تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسول کے آگے ملعون ہوں اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں۔ میں کہہ رہا ہوں، حالانکہ اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیرؤں میں باقی ہے تو مجھ کو کہنا چاہیئے کہ اگر میدان جنگ میں کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے۔ کیونکہ ملت اسلام ایک جسم واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضا و جوارح ہیں، اگر ہاتھ کی انگلی میں

کانٹا چبھے تو جب تک باقی اعضا کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں ممکن نہیں کہ اس کے صدمے
سے بے خبر رہیں۔ اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں محض اظہار مطلب کا ذریعہ بیان ہی نہیں ہے
بلکہ عین ترجمہ ہے اس حدیث مشہور کا جس کو امام احمد و مسلم نے نعمان بن بشیر
سے روایت کیا ہے۔ کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے۔

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا
اشْتَكَى لَهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

مسلمانوں کی مثال باہمی مودت و مرحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے
جیسے ایک جسم واحد کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا
جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔ اور اسی کی ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے
جس کو ابو موسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔

(ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی اینٹیں کہ ایک
اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے) اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے
ایک اولین اور اشرف ترین خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن شریف نے اپنے
جامع اور مانع الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

کافروں کے لئے نہایت سخت۔ مگر آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد۔
ان میں جس قدر سختی ہے باطل اور کفر کے لئے اور ان کی جس قدر محبت و الفت
ہے حق و صدق اور اسلام و توحید کے لئے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا
وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ۔

جامعۂ اسلامیہ یا پان اسلام ازم

جب سے اسلام دنیا میں موجود ہے یہ اخوت و وحدت بھی موجود ہے۔ مگر یورپ کا جدید دسیسۂ شیطانی اس کو کسی مجہول الحال اور حدیث العہد اسلامی اتحاد سیاسی، سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اس اضغاث احلام کی تعبیر اس کو ایک خون فشان ہلال کی صورت میں نظر آتی ہے وہ کسی ایسے وقت کے تصور سے اپنے تئیں لرزاں و ترساں ظاہر کرتا ہے جبکہ تمام عالم میں چالیس کروڑ مسلمانوں کی تلواریں یکایک چمک اٹھیں گی۔ عیسائیوں سے ان کے گزشتہ چار سو سال کی مسیحی خونریزی کا حساب لیا جائیگا، اور رحمن و رحیم خدا کو مثلث کی بجائے صلوٰۃ کے نعروں کے ساتھ تمام دنیا کے درختوں پر صلیب پرستوں کی معلق اور مصلوب لاشیں ایک خدائے مصلوب کی لاش کی طرح لٹکنے لگیں گی، مگر یہ یورپ کے چہرۂ خونیں کا عکس ہے جو اس کو عالم اسلامی کے آئینہ میں نظر آتا ہے۔

میں نے جب کبھی اس قسم کی تحریریں پڑھی ہیں تو لکھنے والوں کے تعصب پر اس قدر متعجب نہیں ہوا ہوں جس قدر اس کے جواب دینے والے مسلمانوں کی جہالت بلکہ اسلام فراموشی پر۔ جب کبھی یورپ کے شیاطین سیاست نے "پان اسلام ازم" کی صدا بلند کی ہے تو معاً مسلمانوں نے ڈر ڈر کر اور کسی خونی مجرم کی طرح سہم سہم کر اپنی برأت کے لئے بے اثر دلائل کی وظیفہ خوانی شروع کر دی ہے، اور پھر اکثر اوقات غیروں کے خوش کرنے کے لئے اس میں اس درجہ غلو کیا ہے۔ کہ خود اپنے تئیں بھول گئے ہیں۔

"مسئلہ مشرقی" اور پان اسلام ازم"

لیکن حضرات! یقین کیجئے کہ پان اسلام ازم کا فرضی خطرہ جس غرض مخفی سے

دنیا کے سامنے لایا جاتا ہے، بہت کم مسلمان ہیں جن کی نظر اس کی حقیقی علت پر ہوگی۔ اس خطرے کے اعلان پر بریت اور احتیاط کی کوشش بالکل بیفائدہ ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد جہل نہیں بلکہ ایک نہایت سخت ایجاد حکمت عملی ہے قبل اس کے مسلمان پان اسلام ازم کے جرم سے کانوں پر ہاتھ دھریں ان کو خود یورپ سے پوچھنا چاہیئے کہ مسئلہ مشرقی کی حقیقت کیا ہے؟ فما کان جوابھم فھو جوابنا۔

کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ آج نصف صدی سے یورپ کی تمام مسیحی طاقتوں نے ایک خاص متفقہ حکمت عملی وضع کی ہے، اور اس کا نام مشرقی مسئلہ یا مشرق کا فیصلہ آخری رکھا ہے، مشرقی مسئلہ کی حقیقی غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کے بقیہ قوائے سیاسیہ کا بتدریج خاتمہ کر دیا جائے۔ اور بالفاظ صاف تر یہ کہ دنیا کے جس قدر حصے اسلام کے زیر اثر باقی رہ گئے ہیں۔ ان کو بھی یورپ کی مسیحی حکومتیں کسی ایسی تقسیم مساوی کے ساتھ جو توازن دولی پر مؤثر نہ ہو آپس میں بانٹ لیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اظہر من الشمس فی نصف النہار ہے اور جس شخص نے کم از کم گذشتہ دس برسوں کے اندر کے واقعات سے آنکھیں بند نہیں کرلی ہیں۔ وہ بغیر کسی بصیرت مزید کے اسے دیکھ سکتا ہے، پھر اگر یہ سچ ہے کہ ایک خنجر اسلام کے قلب میں پیوست کر دینے کے لئے تیز کیا جا رہا ہے۔ تو کیا مضائقہ اگر ہم کسی ڈھال کی تیاری میں مصروف ہوں؟ اگر خدا پرستی سے مسیح پرستی کی دشمنی قدیمی ہے اور یہ کوئی نئی مسیحی سازش نہیں تو پیروان توحید کا حملہ مشرکین سے بچنے کے لئے اتحاد و اخوت بھی کوئی نیا حربہ نہیں ہے۔ یورپ جانتا ہے کہ مشرقی مسئلہ کی حکمت عملی کے لئے کوئی بچاؤ اگر اسلام کے پاس ہے تو صرف اس کا حقیقی اتحاد اسلامی ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا ہے۔ کہ اپنی قدیمی سیادت اور شرف کو محفوظ رکھیں۔ اسلامی

زندگی کی آخری انسانی تلوار صرف ترکوں کے ہاتھ میں ہے لیکن ینگ ترکی حکومت جس کے کئی قیمتی اجزا پر مسئلہ مشرقی کی قینچی چل چکی ہے مسیحی اتحاد کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے؟ البتہ اگر چالیس کروڑ قلوب اسلامیہ ہلال کے نیچے جمع ہو جائیں۔ تو پھر وہ ایک ایسی قوت ہے جس کو سینکڑوں سکندر اور ہینی بال بھی ملکر فنا نہیں کر سکتے۔ یورپ چونکہ یہ جانتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے کہ غفلت اور اغراض پرستی نے مقامی و وطنی سرشاریوں میں مسلمانوں کو مبتلا کر دیا ہے۔ اور ان کے باہمی بین الملی اتحاد کے جسم میں مغرب الحاد کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں اس لئے گو فی الحقیقت کسی ایسے اسلامی اتحاد کا وجود نہیں ہے لیکن وہ وقت سے پہلے پیدا ہونے والی مقاومت کا استیصال کرنا چاہتا ہے، اور اس مشہور قاعدہ کی رو سے کہ اتقاء عن المرض خیر من معالجۃ بعد وقوعہ اسلام کے فنا کرنے سے پہلے اس کے بچاؤ کی ڈھال کو فنا کر دینے کی تدبیروں میں مصروف ہے۔

پھر کیا ہو گیا ہے، ان ملاحدہ مسلمین اور متفرنجین مارقین کو جو پان اسلام ازم کا نام سنتے ہی صبانا! صبانا!! کا نعرہ لگانا شروع کر دیتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ کہ ہماری یورپ پرستی، اور اسلام دشمنی کی پُر امن وفاداری میں کوئی اسلامی اتحاد خلل انداز نہیں ہو سکتا؟ کیا وہ اس انکار و تبری سے ٹھیک ٹھیک اُس غرض و غایت کو پورا نہیں کرتے جو اس عمل شیطانی سے خود یورپ کے پیش نظر ہے؟

پروفیسر (ومبری) جس نے ۱۵ برس کی عمر سے تیس برس تک ترکوں کا نمک کھایا اور اس کے بعد ہمیشہ بحیثیت ایک اسلام پرست اور عثمانی بہی خواہ دوست کے سرائے یلدیز کی شاہانہ مہمان نوازیوں سے متمتع ہوتا رہا ہے کل کی بات ہے کہ بوڈاپیسٹ ہیرلڈ میں اس تمہید کے اعادہ کے بعد وہ مسلمانوں کا دوست ہی لکھ رہا تھا۔

"اسلام کی حمایت سے اب کوئی فائدہ نہیں وہ عنقریب فنا ہو جائے گا اور

اس کو فنا ہی ہو جانا چاہیئے۔ مسلمان ایک ایسی وحشی قوم ہے جس میں نہ تو طبیعت کا وجود ہے اور نہ طبیعت کو وہ محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کو صرف خدا کی عبادت گذاری آتی ہے مگر دنیا میں کام کرنا نہیں آتا تمام انسانی حس و شعور ان سے سلب ہو گئے ہیں صرف ایک دینی جذبہ ان میں باقی ہے نہ ان کا کوئی مسلک اور نہ کائنات میں مقصد پس اب یورپ کے لئے یہی باقی رہ گیا ہے کہ وہ اسلامی حکومتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لے)

یہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دوست کی آواز ہے لیکن اب دشمنوں کو کہاں ڈھونڈیں، پروفیسر دلمیین ہاڑوان، جو آسٹریا کے سب سے بڑے اخبار (فرمخفتم) کا مالک اور چیف ایڈیٹر ہے چند سال ہوئے ہیں کہ اس نے مسئلہ مشرقی پر لکھ دیا تھا۔ اور اس کا خلاصہ (لندن ٹائمس) نے چھاپا تھا۔ مجھ کو یاد ہے کہ اس کی آواز ان جملوں پر ختم ہوئی تھی۔ اب اور کب تک اسلام کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ اپنی ہزار سالہ وحشت و خونخواری کے واقعات بیسویں صدی میں دہراتا رہے، کب تک اپنی باہمی رقابت کے ہاتھوں عالم انسانیت کی مظلومی کا تماشا دیکھتا رہے گا۔ اسلام ایک خطرہ ہے اور اس کا بقا تمام تر خطرہ میں یقین دلاتا ہے کہ یورپ اسلام سے جو زمین کا ٹکڑا لے لیتا ہے وہ اس کا قدرتی حق ہے۔ اور دول یورپ کے لئے مال غنیمت ہے جس کی واپسی کا خیال بھی جنون ہے۔

یورپ اسلام کے چالیس کروڑ نفوس انسانی کو تمدن اور تہذیب کے نام سے فنا کر دینا بیسویں صدی کی سب سے بڑی مدنی خدمت سمجھتا ہے۔ روس میں آج کئی ملین عیسائی موجود ہیں۔ جو عثمانیوں سے ہزار درجہ یورپین تمدن سے العبد میں سب سے پہلے اس خنجر تہذیب کی دھار کی مستحق ان کی گردنیں کیوں نہیں سمجھی جاتیں؟ اور جس تہذیب کے نام پر یہ صلیبی جنگ جاری کی گئی ہے۔ اگر یہ وہی تہذیب ہے جس کی ٹریجڈی ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو ہمارا نوی متنال

[illegible]

لیکن وہ کبھی بھی پان اسلام ازم سے اپنے تئیں بخطرہ دکھلائینگے۔ کیونکہ وہ جانتے
آپ کی ایک اصلی مدافعانہ قوت، اتحادی کو اس طرح فنا کردینا چاہتا ہے۔ آپ انکار
کریں خواہ اقرار دونوں حالتوں میں اس کا سلوک یکساں ہوگا،

مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ، أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ،

اس کی مثال کتے کی سی ہے اگر اس کو دھتکارو جب بھی زبان باہر لٹکائے رہیگا اور
اگر اس کو چھوڑدو جب بھی زبان ہلاتا رہیگا۔

کاش مسلمانوں میں پان اسلام ازم ہوتا!

مسلمان "پان اسلام ازم" کے نام پر استغفار پڑھ رہے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ
اے کاش آج مسلمانوں میں پان اسلام ازم کا وجود ہوتا! وہ پان اسلام ازم جس کو
ترکی یا انگلستان کے مسلمانوں کی کسی خفیہ کمیٹی کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
روز اول سے اس کی ہم کو دعوت دی گئی ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

(ایک دین الٰہی کی رسی سے مل کر پکڑلو اور آپس میں متفرق نہ ہو)

اگر پان اسلام ازم کا اصلی وجود ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ ہمارے سامنے ایران پیوست
گور ہوجاتی۔ مراکش کا خاتمہ ہو جاتا، طرابلس میں مسلمانوں کی لاشیں تڑپتیں اور ہمارے
قلوب میں کوئی حقیقی حرکت پیدا نہ ہوتی۔ روضہ مبارک حضرت امام رضا علیہ السلام
کی دیواریں ملاعنہ روسیہ کی گولہ باری سے گر گئیں برقہ کی مسجدوں کے میناروں پر اٹلی
کے مشرکین و مریم پرست چڑھ گئے تاکہ عین اس مقام پر جہاں خدائے واحد کی
تقدیس و تسبیح کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں رومن کیتھولک بت پرستی کا علم نصب
کریں۔ لیکن مجھ کو بتلاؤ کہ کتنے ہندوستان میں مسلمان ہیں۔ جن کے دلوں میں زخم لگے
اور کتنے ہیں جن کے جگر میں ٹیس اٹھی؟

کمثل هذا ایذ دب القلب من کمن
من کان فی قلب اسلام وایمان

سچ یہ ہے کہ ہم اپنے اصلی پان اسلام ازم کو کھو چکے ہیں۔ اور یہی علت اسلام کے اصلی ضعف اور انحطاط کی ہے اگرچہ کہ اس کا بیج اب بھی ہم میں موجود ہے گو برگ و بار نہیں اس لئے یورپ چاہتا ہے کہ اس طرح کے انتشارات سے سہا اور ڈرا کر ہم کو آئندہ کی ہوشیاری اور بیداری سے بھی باز رکھے اور رہی سہی اتحادی قوت کا بھی نشوونما سے پہلے خاتمہ کر دے ؛

مسئلہ مسلم یونیورسٹی اور مسئلہ بقائے اسلام

اے حضرات! یاد رکھئے کہ آج اسلام کے لئے مسلمانوں کی کوئی وطنی اور مقامی تحریک سود مند نہیں ہو سکتی۔ اور اس کشتی کے تیرنے کے لئے اصلی ننگ یورپ کے اختراعی پان اسلام ازم کے سوا اور کوئی بادبان نہیں ہے۔ ایک قوم جو ریگستان عرب سے دیوار چین تک آباد ہے، اس کو زمین کے کسی خاص ٹکڑے کا تغیر کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

جس قدر مقامی کوششیں آج عمل میں آ رہی ہیں خواہ وہ مصر میں ہوں یا ترکی میں الجزائر میں ہوں یا اس تیرہ و تار ہند میں، میرے عقیدہ میں یہ سب کچھ کاہن شیطان کا ایک عمل السحر ہے، جو اس لئے سلاتا ہے کہ سونے والوں کا اٹھنا اسے پسند نہیں میں نے کہا کہ ہم میں سچا پان اسلام ازم، یا با الفاظ اصلی رشتہ اخوت دینی باقی نہیں رہا اور کیونکر باقی رہے جبکہ ہندوستان میں ایسے عظیم الشان اشغال ہمارے لئے موجود ہیں جو نفس اسلام کے بقا سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ہم غریب ترکوں یا ایرانیوں کی کیونکر خبر لیں؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ہمیں (علیگڈھ) میں ایک یونیورسٹی بنانی ہے اس کے لئے تیس لاکھ روپیہ جمع کرنا ہے۔ یہ مانا کہ دنیا کی کوئی سرزمین آج

چھپکر کسی ایسی دنیا کی نعتیں مانی ہیں۔ جبکہ تمام کائنات انسانوں کی ملائکہ معصومیں
کی بہشت زار بن جائے گی۔ اور قتل وخونریزی کو لوگ اسی طرح بھول جائینگے۔
جس طرح موجودہ عالم نے امن اور صلح کو فراموش کر دیا ہے۔ اس آرزو کے
حسن وجمال پر کون دل ہے جو فریفتہ نہیں ہوگا۔ لیکن کیا کیجیے کہ دنیا امیدوں
آرزوؤں کی نہیں بلکہ حقائق و نتائج کی جگہ ہے اور انسان جب تک فرشتہ نہیں بلکہ
انسان ہے اس وقت تک ایسی امیدوں کا اخلاق کے صفحوں سے باہر پتہ لگنا ممکن
نہیں۔ آج اگر پوچھا جائے کہ قوموں کی زندگی اور زندگی کے مظاہر کہاں تلاش
کئے جائیں تو اس کا جواب علم وفن کی بڑی بڑی درسگاہوں اور علوم الاولین والآخرین
کے کتب خانوں سے نہیں ملیگا۔ بلکہ ان آہن پوش جہازوں کے مہیب طول وعرض
سے جن کی قطاریں ساحل کے طول میں پھیلی ہوئی اور جن کے روزنوں سے آتش
پوش توپوں کے دہانے نکلے ہوئے ہیں۔

پس حضرات وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے جس میں صلح کا سفید جھنڈا لہرا رہا ہو
مگر زندہ وہی رہ سکتا ہے جس میں خون چکاں تلوار کا قبضہ ہو۔ یہی اقوام کی زندگی
کا منبع، قیام عدل ومیزان کا وسیلہ انسانی سبعیت ودرندگی کا بچاؤ اور مظلوم کے
ہاتھ میں اس کی حفاظت کی ایک ہی ڈھال ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ
لِيَقُومَ النَّاسُ۔

اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کو کتاب اور
میزان دی تاکہ لوگ عدل بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید
ومنافع للناس اور انصاف پر قائم ہوں اور نیز لوہا پیدا کیا جو ہتیار ہونے کی صورت
میں سخت خطرناک بھی ہے اور نفع رساں بھی۔"

اسلام کی پولیٹیکل طاقت کا مرکز وحید

مسلمان یاد رکھیں کہ آج صرف ایک ہی تلوار ہے جو دین الٰہی کی حمایت میں بلند ہو سکتی ہے۔ اور وہ صرف آل عثمان کی مقدس شمشیر خلافت ہے، یہ اسلام کے گذشتہ قافلہ جہانبانی کا آخری نقش قدم، اور ہمارے آفتاب اقبال کی آخری شعاع امید ہے یہی سبب ہے کہ ہمارا ترکوں سے رشتہ محض اخوت دینی ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی مقدم تر رشتہ۔ خلافت اسلامیہ کے دینی احترام کا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ کوئی قوم بغیر کسی سیاسی مرکز کے زندہ نہیں رہ سکتی اور اسلام کا کوئی مرکز سیاسی اگر ہے تو صرف خلافت آل عثمان ہے ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو اگر اس کا فرض دینی ہے کہ اسلام کی بقا کا خواستگار ہو، تو یہ بھی فرض دینی ہے کہ خلافت آل عثمان کے تعلق کو ایک خالص دینی رشتہ کی طرح اپنے دل میں محفوظ۔ رکھے اور دنیا کی جو حکومت اس کی دشمن ہو اس کو اسلام کا دشمن اور جو اس کی دوست ہو اس کو اسلام کا دوست یقین کرے۔ کیونکہ مسلمانوں کی دوستی اور دشمنی انسانی اغراض کے لئے نہیں بلکہ صرف دین الٰہی کے لئے ہے۔

مسلمانان ہند کی نسبت بار بار سیاسی حلقوں میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے۔ کہ وہ دنیا کے کسی اسلامی حصے کے واقعات سے اس درجہ متاثر نہیں ہوتے جس قدر ترکی کے حوادث و حالات سے اگر محض رشتہ اخوت اور اشتراک مذہب ہی اس اثر پذیری کی علت ہے تو اس میں ترکوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بہت سے لوگ ہیں جو اس واقعی ضروری سوال کے جواب میں یا تو نفاق سے کام لینا چاہتے ہیں یا کفر سے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے بہتر راہ اسلام کی ہے مسلمانوں کو بغیر ادنیٰ تامل کے صاف صاف اس سچے سوال کا سچا جواب دینا چاہیئے۔

تمام دنیا کے مسلمانوں سے ہمارا صرف ایک ہی رشتہ ہے۔ دینی اخوت اور پان اسلام ازم کا مگر ترکوں سے ہمارے دو رشتے میں پہلا اخوت دینی

کا کہ وہ بھی مسلمان ہیں، اس لئے خدا نے ہم کو ہمیشہ کے لئے ان کے رنج و راحت کا شریک بنا دیا ہے۔ دوسرا اس سے بھی قوی تر رشتہ خلافت دینی اور اسلام کے آخری سیاسی مرکز ہونے کا کہ آج کلمہ اسلام کی حفاظت کی آخری تلوار صرف ان کے ہاتھ میں ہے، اگر کسی اور حصہ سے اسلام کی حکومت مٹتی ہے تو ہم سوتے ہیں کہ ہمارا ایک عضو کٹ گیا لیکن ترکوں پر جب کوئی آفت لائی جاتی ہے، تو تڑپ جاتے ہیں کہ ہمارا دل دو نیم ہو گیا۔ ہم جب ترکوں کے لئے مضطرب ہوتے ہیں۔ تو ہمارا اضطراب مسلمانوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے لئے ہوتا ہے۔

فَمَا کَانَ قَیْسٌ ھلکہ ھلک واحدٌ ، ولکنہ بنیان قومٍ تھدما

حضرات! وہ قوم جس کا ظہور تیرہ سو برس ہوئے کہ مکہ نامی ایک جزیرہ نما سے ہوا تھا۔ اور جو مسلم کے لقب سے پکاری جاتی ہے اس کا عقیدہ تو یہی ہے جس کو میں نے بیان کیا۔ لیکن بدبختی سے ایک دوسری قوم بھی ہم میں موجود ہے۔ جو اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتی، یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اپنی دنیوی عزت و شوکت کا جوا کھیلا ہے۔ اور اس کے لئے ملت مظلومہ کو ایک بازیچہ بنا لیا ہے۔ ہوائے نفس جن کا آلہ ہے۔ حکام و امراء جن کے معبود ہیں، درہم و دینار جن کا قبلہ ہے، غلامی و تقلید جن کی شریعت ہے، جو قریش مکہ کے صامت و ساکن بتوں کی جگہ سمندر پار سے آئے ہوئے متحرک بتوں کو پوجتے ہیں، جو وحی الٰہی کی جگہ سمائے شملہ سے اترے ہوئے احکام و فرمان کو اپنی کتاب و سنت یقین کرتے ہیں اور جن کے قلوب اصابع الرحمٰن کی جگہ اصابع الشیطان میں ہیں (یقلبھا کیف یشاء) غرضکہ اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ ، وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ، اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ۝

تو اے حضرت! اس قوم کے عقیدہ میں، پان اسلام ازم، یا اسلام کا بین الملی اتحاد، ایک کفر صریح ہے۔ خلافت اسلامی کوئی شے نہیں مسلمانان ہند کو ترکوں سے

[illegible]

اب ترکوں سے اِس قدر بے مہری ظاہر نہیں کی جاتی۔ خلافت اسلامیہ کا نام آہستے
ہی اس سے انکار و تبری کے تار یا نیز میں نہیں بھیجے جاتے۔ مدت سے کوئی پمفلٹ
بھی مسئلہ خلافت پر شائع نہیں کیا گیا ہے، رزولیوشن کے پاس کرنے سے بھی چنداں
انکار نہیں ہے بعض اصحاب کی تو بظاہر اس درجہ قلب ماہیت ہو گئی ہے کہ علانیہ
ترک مجروحین کے لئے چندے میں بھی شرکت کر رہے ہیں۔ تاہم ہم کو معلوم ہے کہ
اس انقلاب کی اصلی علت کیا ہے۔ اور اُس کے ظاہر و باطن میں باہم کیا ربط ہے؟

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا، وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا
اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔

یہ منافق جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں لیکن اپنے شیطانوں
کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ دل سے تو ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں،
ظاہری کاروائیاں جس قدر جاری ہیں وہ ایک تمسخر و دل لگی سے زیادہ نہیں۔

اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ،

اے اخوانِ ملت! آج وہ وقت آگیا ہے کہ دلوں پر سے پردے اٹھ جائیں
اور کفر و ایمان میں تمیز ہو جائے یقین کیجئے کہ یہ ایک سب سے بڑی اور شاید آخری
ابتلائے عظیم ہے۔ جو صرف اس لئے ہے کہ اللہ مدعیان ایمان کو آزمانا چاہتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ مِنْکُمْ

اور اللہ تم کو آزمائیگا یہاں تک کہ سچے مجاہد اور صابر، جھوٹوں سے الگ ہو جائیں۔
آج وہ دن آگیا ہے۔ جب مسلمانوں کے دل پہلوؤں کی جگہ ان کے چہروں پر
آجائیں گے جبکہ یا تو دلوں کی سیاہی سے ان کی پیشانیاں بھی تاریک ہو جائیں
گی یا دل کی ایمانی روشنی ان کی پیشانی پر چمکنے لگے گی۔

یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَکَفَرْتُمْ
بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِیْنَ

ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ،
وہ دن جبکہ یا تو چہرے چمک اٹھیں گے یا سیاہ پڑ جائیں گے، وہ وہ لوگ ہونگے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد انکار کیا اور ان کے لئے وہی عذاب ہوگا جس سے وہ انکار کیا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں کے چہرے چمکنے لگیں گے ان کے لئے اللہ کی رحمت کا آشیانہ ہوگا جس میں ہمیشہ کے لئے ان کو جگہ مل جائے گی۔

یاد رکھیئے کہ خدائے تعالے اپنے کلمۂ توحید کی حفاظت کے لئے ہم مسلمانوں کی اعانت کا محتاج نہیں ہے، بلکہ ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اسلام میں کتنی قومیں آئیں اور اپنی اپنی باری سے اسلام کی حفاظت کا فرض ادا کر گئیں اگر اس آخری آزمائش میں بھی ہم پورے نہ اترے تو کیا عجب ہے کہ قدرت الٰہی اپنے دین مبین کی حفاظت کے لئے دوسروں کو چن لے، اور ہم کو اسی طرح اپنے دروازے سے مطرود و مردود کردے جس طرح ہم سے پہلے بہت سی قومیں ہو چکی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ
إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ مَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ
اے لوگو! تم اللہ کے دروازہ کے فقیر و سائل ہو اللہ تو تمہاری مدد سے بے نیاز ہے، اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے اور ایک دوسری مخلوق پیدا کردے اور اس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

اللہ کے عجائب کاروبار قدرت کے یہ تماشے پہلے ہی دن سے ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ اس نے مکہ کی سرزمین کو محبوب ہونے کا شرف عطا فرمایا اور قریش مکہ کو اپنے نور رسالت کا حامل بنایا۔ لیکن جب انہوں نے اس احسان الٰہی کی قدر نہ کی تو غیرت الٰہی نے کہا کہ وہ اپنے کاموں کی تکمیل کے لئے کچھ سرزمین مکہ ہی کا محتاج نہیں ہے، دین حق کی اعانت کے لئے مدینہ والوں کو بھیج دیا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سر جھکا دیا۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی گردن قربان ہونے کے لئے مستعد ہو گئی۔ تو اُس
وقت فرمایا۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۔ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ
الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ

پس وہ جب دونوں مسلم ہوئے اور ابراہیم نے اسمٰعیل کو پیشانی کے بل زمین پر گرا
دیا تاکہ ذبح کرے تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم و بس کرو، تم نے اپنا خواب پورا
کر دکھایا۔

خطبۂ الہلال

انقلاب و انقلاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ ۔ اے برادران ملت! اللہ کی طرف پکارنے والے کی پکار کا جواب دو!

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ۔

آہ! کاش مجھے وہ صور قیامت ملتا، جس کو میں لے کر پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر چڑھ جاتا! اس کی ایک صدائے رعد آسائے غفلت شکن سے سرگشتگان خواب ذلت و رسوائی کو بیدار کرتا، اور چیخ چیخ کر پکارتا کہ "اٹھو! کیونکہ بہت سو چکے اور بیدار ہو، کیونکہ اب تمہارا خدا تمہیں بیدار کرنا چاہتا ہے! پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کو دیکھتے ہو پر اس کی نہیں سنتے جو تمہیں موت کی جگہ حیات، زوال کی جگہ عروج، اور ذلت کی جگہ عزت بخشنا چاہتا ہے"!

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔

ترجمہ: اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی صدا کا جواب دو، جبکہ وہ تمہیں بلا رہے ہے تاکہ تم کو موت سے نکال کر زندگی بخشے۔ یاد رکھو کہ اللہ جب چاہتا ہے انسان اور اس کے دل کے اندر آڑے آجاتا ہے۔ اور پھر خواہ تم اس سے کتنا ہی اعراض کرو، مگر تم کو بہر پھر کے اسی کے آگے ایک دن جانا ہے!

آج آنے والی بربادیوں اور ہلاکتوں سے [illegible] ہو، تم بے قرار ہو، اور

O (VIVA)

پھر وہ جس طرف لیجائے، اپنے تئیں چھوڑ دیں۔ کانٹوں پر لوٹائے، تو اپنے تلوؤں کو زخمی کر دیں۔ اور پھولوں پر چلائے تو اُن کے لطف و راحت سے لذت اندوز ہوں۔ تلواروں کا زخم کھلائے، تو اُس کو غیروں کے مرہم سے زیادہ محبوب سمجھیں، اور زہر کا تلخ و مہلک جام دے تو اسے شربتِ قند و گلاب کی طرح مزے لے لے کر پی جائیں ۵

پیکان ترا بجان خریدار من مرہم دیگران نخواہم

الحمد للہ کہ صدائے "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کے لئے خدائے حکیم دلوں کو کھول رہا ہے جس نے اس صدائے دعوت الی اللہ و رسولہ کو بلند کرایا ہے، اُس وقت تک روزانہ ایک سو درخواستوں کا اوسط ہے۔ لیکن شاید ابھی بہت سے لوگ ہیں جو متامل، اور بہت سے ہیں جو اصلیت و مقصد کی طرف سے پریشان ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ حکمتِ الٰہیہ نے یہی طریق دعوت اس لئے قرار دیا تا کہ اس طرح سب سے اول ہی دلوں کی آزمائش اور دعووں کا امتحان ہو جائے جن کے دلوں میں سچا ولولہ ہوگا، وہ بغیر اصلیت کو پوچھے اٹھ کھڑے ہونگے۔ کیونکہ اُن کے لئے اتنا اشارہ ہی کافی ہوگا۔ کہ اللہ کی راہ کی دعوت اور اسلام کی ایک مخلص جماعت پیدا کرنا ہے، پھر خواہ اس کی کوئی تدبیر اور کوئی پیرایہ ہو کہ یہ امور وسائل و ذرائع ہیں، اور اصل حقیقت اُن سے متاثر نہیں، هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

ہندوستان کی آزادی اور مسلمان

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۳:۱۷)

ترجمہ: کسی سے مت ڈرو، اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وقت تیر اک نعرہ قومی مخلص صبح گاہی کر
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ
اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا
اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ:- اے یارانِ مجلس! بہت سے مالک اور آقا بنا لینا اچھا ہے یا ایک ہی خدائے قہار کے آگے جھکنا؟ تم جو اللہ کو چھوڑ کر اور معبودوں کو پوج رہے ہو تو یہ اس کے سوا کیا ہے کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے پیشروؤں نے گھڑ لئے ہیں؟ حالانکہ خدا نے تو ان کے لئے کوئی سند بھیجی نہیں۔ اے گمراہو یقین کرو کہ تمام جہان میں حکومت صرف اس ایک خدا ہی کیلئے ہے۔ اس نے حکم دیا کہ صرف اسی کے آگے جھکو۔ یہی دین اسلام کا سیدھا راستہ ہے لیکن اے وائے کہ اکثر لوگ ہیں جو نہیں جانتے

تاریخ آزادی ہند، جو لکھی جائے گی

جو ہونے والا ہے اس کو کوئی قوم اپنی نحوست سے نہیں روک سکتی۔ یقیناً ایک دن آئے گا جبکہ ہندوستان کا آخری سیاسی انقلاب ہو چکا ہوگا۔ غلامی کی وہ بیڑیاں جو خود اس نے اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں، بیسویں صدی کی ہولنے حریت کی تیغ سے کٹ کر گر چکی ہوں گی۔ اور وہ سب ہو چکے گا جس کا ہونا ضرور ہے۔ فرض کر لیجئے کہ اس وقت ہندوستان کی ملکی ترقی کی ایک تاریخ لکھی گئی تو آپ کو معلوم ہے کہ اس میں ہندوستان کے سات کروڑ انسانوں کے متعلق کیا لکھا جائے گا۔

اس میں لکھا جائیگا کہ ایک بدبخت اور زبون طالع قوم، جو ہمیشہ ملکی ترقی کیلئے ایک روک، ملک کی فلاح کے لئے ایک بدقسمتی، راہ آزادی میں سنگ گراں، حاکمانہ طمع کا کھلونا، دوست اجانب میں بازیچۂ لعب، ہندوستان کی پیشانی پر ایک گہرا زخم

اور گورنمنٹ کے ہاتھ میں ملک کی امنگوں کو پامال کرنے کے لئے ایک بہترین کر رہی !

اس میں لکھا جائے گا کہ ایک قابلِ رحم مگر مسحور انسانوں کا گلہ جس کے ہر فرد کو کسی زبردست کاہن نے اپنے منتر سے جانور بنا دیا تھا۔ جو اپنے ہنکانے والے آقا کے ہاتھ میں اپنی گردن کی رسی دیکھتی تھی۔ اور خوش ہوتی تھی۔ جس میں کوئی انسانی ارادہ، کوئی انسانی دماغ، کوئی انسانی حرکت، اور کوئی انسانی زندگی کا ثبوت نہ تھا۔ جو اپنے دماغ سے نہ سوچ سکتی تھی، نہ اپنی آواز سے بول سکتی تھی۔ نہ اپنے پاؤں سے چل سکتی تھی اور نہ اپنے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ سمجھ کر اٹھا سکتی تھی۔ ایک معمول، جو مسمرائزر کے ارادہ پر زندہ ہو۔ ایک وجود شل۔ جو صرف زمین کے لئے بار ہو، ایک درخت جو حرکت کے لئے ہوا کا منتظر ہو، ایک پتھر جو بغیر کسی ذی روح کے حرکت دیئے ہل نہ سکتا ہو اور سب سے آخر یہ کہ ایک بدبختی کا داغ جو انسانیت کی پیشانی پر ہو۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا، أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ

(۲۸ : ۸۴)

ترجمہ :- ان کے پاس دل ہیں، مگر سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں ان کی مثال چارپایوں کی سی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر وہی ہیں جن کی غفلت کی سرشاری نے انسانیت سے محروم کر دیا ہے۔

اسلام کی تذلیل کا ایک دردانگیز منظر

پھر اس میں لکھا جائے گا کہ یہ حالت اس قوم کی تھی، جو آہ، ختم آہ! کہ مسلم تھی جو اپنے ساتھ انسانی شرف و جلال کی ایک عظیم ترین تاریخ رکھتی تھی۔ جس کو دنیا کی وراثت اور خلافت دی گئی تھی۔ جو دنیا میں اس لئے بھیجی گئی تھی تاکہ انسانی استبداد و استعباد کی زنجیروں سے بندگانِ الٰہی کو آزاد کرائے۔ جو اس لئے بھیجی گئی تھی۔ کہ بیڑیاں کو

کاٹے نہ اس لئے کہ خود اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہنے، جو اس لئے آئی تھی کہ تمام ان زنجیروں کو جو خدا کی بندگی کے سوا اور شیطانی قوتوں کی (اور ہر وہ استیلا جو اللہ کے ماسوا ہے اسلام کی اصطلاح میں یہی نام رکھتا ہے) انسان کی گردنوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دے نہ اس لئے کہ سب سے بھاری زنجیر کو خود ہی اپنی گردن کا زیور بنائے۔ جو خدا کی نائب اور خلیفہ تھی، تاکہ دنیا کو اپنا محکوم بنائے۔ نہ یہ کہ خود محکومی پر ناز کرے۔ جس کے قدموں پر قوموں کو گرنا تھا۔ تاکہ وہ اٹھائے، نہ یہ کہ وہ خود خاک مذلت و غلامی پر لوٹے اور ٹھکرائی جائے۔

جو اس ملت حنیفی کی پیرو تھی، جو دنیا میں صرف اس لئے رہے کہ حاکم ہو نہ اس لئے کہ غلام اور مملوک ہو۔ آہ! جو "مسلم" تھی، اور پھر کونسا انسانی شرف باقی رہ گیا ہے جو اس اللہ کے منہ سے نکلے ہوئے خطاب محبوب و اقدس میں نہیں ہے۔ جو "مسلم" تھی اور اس لئے قدرتی طور پر اس کا فرض تھا۔ کہ ہندوستان میں وہ سب کچھ کرتی، جو اوروں نے کیا اور جس کو چاہیئے تھا۔ کہ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی ترقی کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوتا۔ اور ہندوستان کی تمام قومیں اس کے پیچھے پیچھے ہوتیں، کیونکہ اس کے پاس "اسلام" تھا اور اسلام "آگے رہنے کے لئے ہے، پیچھے رہنے کے لئے نہیں۔ وہ ایک قوت ہے تاکہ قومیں اس کے آگے جھک کر روحانی و جسمانی نجات پائیں۔ پر وہ کسی کے آگے جھکنے کا محتاج نہیں ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲ : ۱۴۳)

ترجمہ :- اور اسی طرح ہم نے مسلمانوں کو درمیانی قوم بنایا۔ تاکہ وہ تمام انسانوں کی ہدایت کے شاہد ہوں۔ اور ختم المرسلین ان کے لئے شاہد ہوں۔

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ

هٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى
وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ (۲۲ : ۷۸)

ترجمہ :- اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ جو حق جہاد کرنے کا ہے اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدہ کیا اور امتیاز کے لئے چن لیا۔ پھر جو دین کہ تم کو دیا گیا ہے۔ وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، یہی ملت تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم خلیل کی ہے۔ اور اس نے تمہارا نام "مسلمان" رکھا ہے گذشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی تاکہ رسول تمہارے لئے، اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کیلئے شاہد ہو۔ پس اللہ کے رشتے کو مضبوط پکڑو۔ جان اور مال دونوں کو اس کی عبادت میں لٹا دو۔ وہی تمہارا ایک آقا اور مالک ہے۔ پھر جس کا خدا مالک اور حاکم ہو اس کا کیا اچھا مالک ہے۔ اور کیسا قوی مددگار۔

دماغ سوچنے کے لئے ہے نہ کہ غفلت کے لئے۔ پس تمہارے پاس دماغ ہے تو اے غفلت کو بیداری، اور موت کو حیات سمجھنے والو! خدارا مجھ کو بتاؤ کہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تمہاری نسبت کیا لکھا جائے گا۔ یقین کرو اس وقت جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں میرے دل میں ایک سخت اضطراب ہے۔ میری روح بےچین ہے۔ میرے جگر میں ٹیس ہے۔ میرے دل کے زخموں کے ٹانکے کھل گئے ہیں، اور میرے بیان افکار کا ساتھ دینے سے قلم عاجز آگیا ہے۔ یہ کیا ہے کہ میں ایک شئے کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ تم سب کے پاس بھی آنکھیں ہیں، لیکن تم کو نظر نہیں آتا؟ یہ کیا ہے کہ ایک آواز میرے کانوں میں آرہی ہے۔ میں سن رہا ہوں پر تم نہیں سنتے؟ آہ اے لوگو کہ میں نہیں سمجھتا تم کو کیا کہوں مجھ کو خدارا بتلاؤ کہ کیا یہ سچ نہیں ہے۔ کہ تم دین توحید کے پیرو، خطاب اسلام سے متصف، اور امانت الٰہی کے حامل ہو۔ یہ سچ ہے تو تم صرف اس لئے ہو تاکہ نڈر رہو، بےخوف ہو، جری ہو، آزاد رہو، خود مختار ہو، نہ صرف

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مگر آبپاشی کے لئے روپیہ نہ تھا کہ ہندوستان کی زمین اپنی دولت اگلے۔ زبان سے اقرار کیا جاتا تھا۔ کہ تم وفادار ہو، مگر اسلحہ کو چھونے کی اجازت نہ تھی، کہ تم غدار ہو۔ ملک کی تمام دولت سرخ رنگ سپاہیوں کو سونا اور چاندی کھلا کر لٹائی جا رہی تھی، مگر ملک کے فاقہ مست کالے تعلیم اور حفظان صحت کے انتظام سے محروم تھے نمک بھی ملتا تھا تو محصول دے کر، اور تعلیم بھی ملتی تھی۔ تو گھر بار بیچ کر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے محبت کے لہجہ میں وعدہ کیا گیا۔ کہ تمیز رنگ و زبان اور امتیاز حاکم و محکوم کا یہاں سوال نہیں اور جو راہ اپنے لئے بازہے سو ہی سب کی آمد کی منتظر لیکن جب پاؤں اٹھے اور ہاتھوں نے حرکت کی تو تمام دروازے بند تھے، اور امتیاز حاکم و محکوم کے نشے سے ہر انگلستان کی مٹی کا پتلا مخمور +

یہ اور ایسے ہی حالات تھے جن میں ملک مبتلا تھا۔ ہندو اٹھے اور انہوں نے اپنی تمام قوتوں کو ملکی جہاد کے لئے وقف کر دیا لیکن عین اس وقت جبکہ وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے مسلمانوں نے نہ صرف اپنے ہی ہاتھ پاؤں توڑ دیے، بلکہ چاہا کہ جن کے ہاتھ پاؤں ہیں ان کو بھی اپنا سا لولہ لنگڑا بنا دیں۔ جبکہ وہ ملک اور ملک کی آزادی کی آگ سلگا رہے تھے، تو یہ تعلیم کی ایک ٹھنڈی لاش لئے بیٹھے تھے ان کے کانوں میں ایک جادو کا منتر پھونک دیا گیا تھا کہ "وقت نہیں آیا۔ اور یہ اسی میں مسحور تھے۔ ایک الف لیلہ کا عفریت تھا جس نے جادو کے زور سے ان کو پتھر کی چٹان بنا دیا تھا پس یہ ملک کی ترقی کی راہ میں روک بن کر پڑے تھے +

مسلمانوں کے ملکی کارنامے

اس کے بعد وہ آنے والا مورخ، جو ہندوستان کا وقائع نگار ہوگا، لکھے گا کہ بالآخر وہ سب کچھ ہوا جو ہونا تھا، بیسوی صدی میں کوئی ملک غلام نہیں رہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سرو مہربانی کی بخشش پر موقوف ہو۔ اولین گمراہی یہ تھی کہ بزرگوں کی موت کے بعد
زندگی کی کروٹ لی بھی تو اپنی اُمنگ، اپنے جوش اور اپنی کسی قوت کے اعتماد پر
نہیں، بلکہ محض کسی کے اشارۂ چشم اور جنبش دست و قوت پر۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ
پالٹیکس غلامی کی ایک دوسری شکل بن گیا، اور راہ مقصود سے باز رہنے کے لیے
ایک کھلونے کا کام دینے لگا۔ پھر اس کے بعد ساری قوت اس پر صرف کی جانے لگی
کہ گورنمنٹ سے مراعات طلب کی جائیں۔ اور جس طاقت کو گورنمنٹ کے مقابلہ
میں خرچ ہونا تھا، اس کو ہندوؤں کے مقابلہ میں صرف کیا جائے۔ یہ اس خمار
کے لیے ترشی کا ایک پورا جرعہ ثابت ہوا۔ اصل شے قوم کا یہ محسوس کرنا ہے
کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہے نہ کہ کسی لکڑی کے سہارے۔ لیکن مراعات
کی طلب جب پیدا ہوگی، خواہ اس کا کچھ ہی نام رکھا جائے، یقیناً اپنی قوت
کی جگہ محض معطی کے احسان و کرم پر اعتماد ہوگا۔ بیشک مسلمانوں کو اپنے حقوق قومی
کے تحفظ سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اصلی سعی اس کی ہونی چاہیئے
کہ درخت اپنی جگہ پر مضبوط ہو۔ تم درختوں کے سائے میں آرام و راحت لیتے ہو
لیکن کبھی اس پر غور کیا ہے کہ تمہارے باورچی خانوں میں کونسی شے جلتی ہے ؟
وہ بھی درخت ہے لیکن جو درخت اپنی قوت نشو و حیات سے محروم ہو جاتا ہے اس
کو کاٹ کر چولھے ہی کے سپرد کیا جاتا ہے پس زندگی صرف قوت میں ہے۔ اور اعتماد
کی جگہ دل ہے نہ کہ کسی کی چوکھٹ +

ملک کی غلامی کے لیے مسلمانوں کی قربانی

ہندو مسلمانوں کا سوال بھی ایک بازیگر کا کھیل ہے اور بدبختی سے ناچنے والے
ناچ رہے ہیں، فوج میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور غنیم مطمئن ہے۔ یہ خیال کہ تم نے ابھی
تعلیم میں ترقی نہیں کی، اس لیے تمہارا پالٹیکس یہی ہے کہ پہلے ہندوؤں سے اپنے

غصب کردہ حقوق چھین لو، غور کرو کہ حریف شاطر کی کس قیامت کی چال تھی ؛
وہ رہزن اور پھر ایسے کمین سے

سات کروڑ انسانوں کی قوت کا نشانہ وہ خود کیوں بنے ، جبکہ تم اُس قوت کو کسی دوسری جگہ خرچ کرنے کے لیئے تیار ہو ؟ یاد ہوگا کہ ہم نے ایک بار اُس کی طرف اشارہ کیا تھا ۔ ہندوستان میں قدرتی طور پر برٹش گورنمنٹ کو اپنے فوائد کے استحکام کے لیئے ایک بڑی قربانی کی ضرورت تھی کہ کوئی ایک قوم ملک کو چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو جائے اور اپنے ملک کی امیدوں کی قربانی کے خون سے اُس کے اغراض کے درختوں کو سینچے مسلمانوں نے خود اپنے تئیں اس قربانی کے لیئے پیش کر دیا ۔ اور جس بوجھ کے اٹھانے سے ہندوستان کی تمام قوموں نے انکار کر دیا تھا ، اس کے لیئے اوّل روز خود ہی اپنی گردن پیش کر دی کہ ؎

بنشین در دل ویرانہ ام اے گنج مراد !
کہ من این خانہ بسودائے تو ویران کردم

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ‌+

اَلَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ

اگر مسلمانوں کی آنکھوں کو لیڈروں کے عمل السحر نے بند نہ کر دیا ہوتا تو وہ اس منظر کو دیکھتے اور خون کے آنسو روتے ۔ وہ دیکھتے کہ یہ کیا بدبختی ہے کہ ملک کی ترقی و فلاح کا مسئلہ ہی سرے سے ، ہندو مسئلہ ہو گیا ہے ، اور مسلمانوں کو من حیث القوم اس سے کوئی تعلق نہیں رہا ، ہاؤس آف کامنس میں بحث آئے یا کانگریس کے اسٹیج پر ، مسئلہ ہند ، کے معنی ، ہندو مسئلہ کے ہیں ۔ حالانکہ ملک کی ترقی و آزادی کی ذمہ داری اگر ہندوؤں پر ملک کی طرف سے تھی ، تو اے اپنے تئیں بھولنے والو ! تمہارے سر تو خدائے ذوالجلال کی طرف سے تھی ؛ دنیا میں صداقت کے لیئے جہاد ، اور انسانوں کو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تھیں کہ ایک علیحدہ کانفرنس کا انعقاد ہو۔ انہوں نے منشا کہا کہ اور طرف کیوں جاتے
ہیں۔ کہ یہاں ایک صحبت خاص اس لئے بھی تیار ہے۔ پھر جب حالت یہاں تک
رو باصلاح ہو چکی ہے تو اب پچھلے گلے شکوے کا کون موقع ہے ؟ اب تو پرانی
باتوں کو تہ کیجئے اور امیدوں کا دروازہ کھولیئے کہ مدتوں کے دبے دبائے ارمانوں
کے نکلنے کا وقت آ گیا ـــہ

بیدار شد بہ سرو بوس و کنار ہم　　از بخت شکر دارم و از روزگار ہم

لیکن میں عرض کروں گا کہ ذرا صبر کیجئے اور زبانوں کو نہ روکئے کہ دراصل شکوے
شکایت کا وقت پہلے نہ تھا۔ وقت تو اب آیا ہے ہم بھی اسی روز آزمائش کے منتظر
تھے۔ ـــہ

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز　　آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ۔ ـــہ

حکم اخیر کی تھی توقع بروز حشر　　باقی رہا نہ دن ہی جب اظہار ہو چکا

ع　ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اول تو ع　کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

اور پھر یہ جو کچھ ہے، صرف الفاظ ہیں، جن میں معانی کا نزول باقی ہے محض جستجو
کے ارادے سے منزل نہیں مل سکتی۔ آپ سرخی اور چونا مہیا بھی کریں پھر بھی مکان
نہیں بن سکتا جب تک کہ معمار نہ ہوں۔ شاید لیگ کی یہ نئی ادائیں توبہ شکن ضرور
ہیں۔ لیکن ابھی ایسی نہیں ہیں کہ واپس لیا ہوا دل پھر اس کے حوالے کر دیں ـــہ

کھلے کیا دل در و دیوار کے آثار باقی ہیں

ہما ہر چند گھر ویران صحرا، پھر بھی صحرا ہے

البتہ بعض خام کاران ہوس پیشہ سے کھٹکا ضرور لگا ہوا ہے۔ کہ کہیں ان
صبر آزما اداؤں پر لوٹ نہ ہو جائیں ـــہ

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا   رکھ لیجیو میرے دعوے وارستگی کی شرم

نظامِ ترکیبی کی اصلاح اور نصب العین کی جستجو یقیناً اس امرض کے لئے اصلی علاج کی تلاش ہے۔ مگر تلاش کا ہونا ہی صحیح تشخیص اور مفید نسخے کے مہیا ہو جانے کے لئے کافی نہیں ضرورت ہے کہ تشخیص کی جستجو صحیح راہ پہ ہو۔ اور نسخہ جو تجویز کیا جائے وہ دفعِ مرض کا اصلی علاج ہو لیگ اگر یہاں تک کے لئے راضی ہو گئی ہے تو زہے نصیب! لیکن ابھی یہ پوچھنا باقی ہے کہ۔ ع کہئے کچھ بڑھنے کی بھی ہمت ہوگی؟

راضی نامہ

اصل یہ ہے کہ لیگ کی طرف سے پوری مایوسی تھی۔ اور ہے۔ جب تک کہ وہ اپنے تئیں اب امید کا مستحق ثابت نہ کر دے۔ قوم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ نہ صرف اہم امورِ سیاسیہ کے لئے، بلکہ ادنیٰ درجہ کی سیاسی ضروریات کے لئے بھی لیگ بیکار ہے۔ اور اس لحاظ سے سخت مضر، کہ قوم کا آئندہ راستہ روک کر کھڑی ہے پس عین اس وقت جبکہ صاف صاف یہ ہے کہ ہم لیگ کو کالعدم یقین کرکے اپنی راہ ڈھونڈ رہے ہیں، اور دل کے ایک نئے ٹھکانے کی فکر میں (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) کہ پہلے سے اچھی حالت میں ہیں۔ لیگ مکرر سامنے آئی ہے اور کہتی ہے کہ پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔ اور اب پھر مجھی کو دیکھو! اچھی بات ہے پہلے پہر خواہ کیسی ہی بے مزہ گذری ہو۔ لیکن رات کا آخری حصہ تو ابھی باقی ہے۔ اور گو مرغِ سحر کی چیخیں چاروں طرف سے سنائی دے رہی ہیں۔ مگر ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ جو کچھ گزر چکا ہے دن تھا، اور دراصل شبِ وصل اب سے شروع ہوئی ہے ؎

وصال پہ ہے اگر وصل امتحان کر دیکھو

اسیر ہیں ہی سہی چند روز مر دیکھو

اگر لیگ پھر ہمارے دلوں پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ تو بہتر ہے کہ ہم بھی اس

[illegible]

ހިކާޔަތް

[illegible]

[illegible]

دل سے سفر شروع کر دیں۔ اگر ایک دلکش منزل آپ کے سامنے ہوگی تو پھر سفر کی تکلیفیں بھی بھول جائے گا! ؎

رہرواں را خستگی راہ نیست　　عشق ہم راہ ہست و ہم خود منزل است

تیس برس سے جو پیچ اس مسئلے کی نسبت پڑے ہوئے ہیں ان پر ادھر بار بار لکھا جا چکا ہے۔ ہندوؤں کی، مہارتی، مختلف عناصر کی باہمی رقیبانہ کشاکش ہندو مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کے اثرات، ملک عدم کی تیاری، مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں باہر کی حکومت کی بہتری، اور اسی طرح کے وہ تمام وساوس و نزغات نفسانیہ، جو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کئے گئے تھے ہمیں حسن ظن ہے کہ اب بھلائے جا چکے ہیں۔ سلف گورنمنٹ اسی لئے نہیں مانگی جاتی کہ ملک کی استعداد اور عدم استعداد کا افسانہ دہرایا جائے۔ مقصود ایک نصب العین کو سامنے رکھنا، اور تدریج اس تک پہنچنا ہے ہندو مہارتی کے عفریت کا خوف بھی اب خدا کے لئے دل سے نکال دیجئے۔ یہ سب سے بڑا شیطانی وسوسہ تھا۔ جو مسلمانوں کے قلب میں القا کیا گیا۔ طاقت محض تعداد پر نہیں بلکہ اور باتوں پر موقوف ہے۔ اصل شے قوموں کی معنوی قوت ہے جو اس کے اخلاق اس کے کیرکٹر، اس کے اتحاد، اور دراصل ہماری اصطلاح میں خشیتہ الٰہی اور اعمال حسنہ سے پیدا ہوتی ہے، وَكَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ ! اسلام کی طاقت کبھی بھی وابستہ دامِ قلت و کثرت نہیں رہی ہے۔ اور اب بھی جن دلوں میں اسلام ہو، وہاں اکثریت بالکل بے اثر ہے لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا، وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ یہ تمام وساوس اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ ملک کے سامنے کوئی مشترک اور بلند نصب العین نہیں ہے۔ اگر روز اول ہی سے یہی ہو گیا ہوتا کہ سب مل کر ایک ہی نصب العین اعلیٰ کی طرف دیکھتے تو اور کسی طرف دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملتی، اور وہ تمام قوتیں جو آج باہمی جدال و قتال میں

صرف ہو رہی ہیں۔ اسی کے پیچھے صرف ہوتیں۔

بے توجہی سے نہ سنئے کہ ایک بہت بڑا نکتہ عمل کہہ رہا ہوں، اور اپنے طرز بیان کا شاکی ہوں کہ اسرار و رموز کی باتیں بھی حسن و عشق کی کہانی بن جاتی ہے اپنے سامنے ایک جاں ستاں جلوہ گاہ حسن پیدا کر لیجئے، پھر اگر آپ دوسری طرف دیکھنا چاہیں گے بھی تو نہیں دیکھ سکیں گے۔ آپ کی تمام بے راہ روی، نفس پرستی اغراض پسندی، باہمی جنگ و جدال، ایثار و فدویت فراموشی اور ہر قسم کے اشتغال ضلالت صرف اس لئے ہیں کہ سامنے کوئی کشش نہیں، اور جس بلائے عقل و ہوش کو ہم دیکھ رہے ہیں، آپ نے ابھی دیکھا ہی نہیں جس دن ایک اچٹتی ہوئی نظر بھی "آزادی" کے حسن پر پڑ گئی، پھر آپ خود بخود تمام قصے بھول جائینگے *

لَوْ يَسْمَعُوْنَ كَمَا سَمِعْتُ كَلَامَهَا خَرُّوْا لِعَزَّةَ سُجَّدًا وَّرُكُوْعًا ۔

ترجمہ:۔ اگر انہوں نے بھی غزہ (معشوق) کی صدا اسی طرح سنی ہوتی، جیسی کہ میں سن رہا ہوں، تو فوراً اس کے آگے سجدے میں گر پڑتے۔

مشکلات راہ

بہت سے لوگ ہیں جو یہاں تک ہمارے ساتھ آ گئے ہیں کہ مسلمانوں کو یہی نصب العین اپنے لئے تجویز کرنا چاہیئے، مگر مشکلات راہ سے گھبراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شراب کڑوی ہے، نشہ و سرور کے انتظار میں حلق و دہان کو کون بدمزہ کرے لیکن اب ہم ان سے کیا کہیں کہ کوئی گھونٹ حلق سے نیچے اترا ہی نہیں۔ کسی طرح منہ بنا کر ایک جرعہ اتار لیجئے، پھر پوچھیں گے کہ کڑوی ہے یا میٹھی؟ ؎

حریف صافی و دردی نہ خطا اینجا ست
تیز ناخوش و خوش میکنی، بلا اینجاست

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پرستوں کو کسی آزمایش میں پڑنے کی ہمت ایک طرف، اتنے کی بھی برداشت نہ تھی کہ گورنمنٹ کے چشم وابرو کی ذرا سی بے مہری بھی گوارا ہو۔ اس کا دعوے ہوتا تھا کہ ہم قوم کے پولیٹیکل کارزار اعمال کے سپہ سالار ہیں اور نکلے ہیں تاکہ اس معرکے میں اپنی تلوار کے کاٹ دکھلائیں! ارباب نظر ان ہوس پرستوں کو دیکھتے تھے، ہنستے بھی تھے اور زمانہ کی بوالعجبی پر روتے بھی تھے ؎

بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اللہ اللہ جس متاع یوسفی کے لئے زلیخا آباد حریت میں تڑپتی ہوئی لاکھیں اور کتنی ہوئی گردنیں بھی طلب کی جائیں تو اپنے اوج طالع پر ناز کریں کہ مفت ہاتھ آئی اس کی قافلہ لیگ میں یہ ارزانی، کہ چند کھوٹے درہم ہاتھوں میں لے کر بولیاں بولی جاتی ہیں! وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ

یہ جانیے دکھلانے اُسے مصر کا بازار — خواہاں نہیں پر کوئی وہاں جنس گراں کا

اے بیخبرو! یاد رکھو کہ زندگی کی خواہش ہے تو مشکلات سے گھبرانا لاحاصل ہے کیونکہ مشکلیں زندہ اور متحرک انسانوں ہی کے لئے ہیں۔ ایک بے روح لاش کے لئے نہیں ہیں۔ آرام کی خواہش ہے تو اس کی سب سے بہتر جگہ قبر ہے۔ بیٹھے رہو گے تو یقیناً ٹھوکر نہیں لگے گی پر جب چلو گے تو ٹھوکریں کھانا ضرور ہے +

اصلاح و تغیر نظام

آخر میں ہم چند الفاظ لیگ کے نظام کی تبدیلی کی نسبت کہہ دینا چاہتے ہیں نہیں معلوم کارفرمایان لیگ نے اس کا کیا مطلب سمجھا ہے، مگر ہم نے مدتوں سے جو کچھ سمجھا ہے۔ اسکے سوا چارہ کار نہیں۔ یاد رہے کہ لیگ کی اصلی بنیادی گمراہی اسی مسئلہ میں پوشیدہ ہے، دنیا میں تمام کاموں کے لئے تقسیم عمل کا اصول ہے۔ اور پھر ہر گروہ کے حالات مختلف اور اس لئے ایک ہی کام کے لئے سب موزوں نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں نے

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

قصوروں کو بخشش دیجئے۔ ہمارے قصور واقعی بڑے سنگین ہیں۔ ہم نے آپ کی گاڑیاں کھینچیں۔ پھولوں کے ہار پہنائے، خود جالوز بنے اور اپنی رسی آپ کے ہاتھ میں دیدی یقیناً اس کی سزا بھگتنی تھی۔ اور اچھی طرح بھگت لی۔ اب اگر آپ کے دفتر تعزیرات میں چند سال سزا کے اور باقی رہ گئے ہیں، تو ہماری قید کے پچھلے سالوں کے چال چلن پر نظر ڈالیئے اور گورنمنٹ کا قانون ہے کہ قیدی اطاعت شعار ہو تو آخر کے چند مہینے معاف کر دیئے جاتے ہیں پس آپ بھی رحم کیجئے۔ ہم کو چھوڑ دیجئے، اور حکم دیجئے کہ بیڑیاں کاٹ دیجائیں۔

محض لیگ کے قواعد و ضوابط کی تبدیلی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس مسئلہ کا فیصلہ نہ ہو۔

مسلم پولیٹیکل فنڈ

ایک عملی سوال یہ ہے کہ اگر ایک لیگ چند دولت نثار اشخاص کے بند غلامی سے آزاد کر دیجائے، تو اس کے کاموں کے لئے روپیہ کہاں سے آئیگا؟ اب تک تو ایک حاتم وقت کی فیاضی تھی جس کی دریادلی سے تمام خشک کھیتیاں سرسبز تھیں لیکن اگر آزادانہ اسپرٹ پیدا کی گئی نصب العین کا اعلان کیا گیا، اور اصلی کاموں پر ملتفت ہوئے تو وہ تمام لوگ جو کلکٹر صاحب کے حکم کے بغیر پانی پینا گناہ سمجھتے ہیں۔ یا جن کے نزدیک ڈپٹی کمشنر کی اجازت کے بغیر کسی جلسے کی ریسیپشن کمیٹی کا صدر بننا حرام ہے قطعاً الگ ہو جائینگے۔ اور کہیں گے کہ "اذھب انت وربک" اور پھر اس دست کرم کی بخشش بھی موقوف ہو جائیگی جس کی خاطر اب تک سجدے کئے ہیں۔ اور موت کو زندگی پر ترجیح دی ہے۔

لیکن ہمارے خیال میں یہ مسئلہ ایک لمحہ کیلئے بھی مانع کار نہیں ہو سکتا۔ ہم نے جیسا کہ کلکتہ میں اپنے مکرم دوست جناب سید وزیر حسن صاحب سے زبانی کہا تھا۔ اگر آج

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خطبۂ الملال

صحبتِ وحشیں

بالاخر دسمبر کا آخری ہفتہ آیا۔ اور متضاد امیدوں اور متخالف آرزوؤں کے ہجوم میں آگرہ کی صحبتیں شروع ہوئیں۔ کامل چھ دن تک کانفرنس اور لیگ کی مجلس آرائیوں نے تماشائیانِ کار کو مشغولِ نظارہ رکھا۔ اور پھر بغیر کسی معرکۂ کارزار کے گرم ہوئے۔ اور بغیر جدال و قتال کی صف بندیوں کے بالاخر یہ آغازِ شورش، اختتامِ سکون تک پہنچا۔

ہمچو عیدے کہ در ایامِ بہار آمد و رفت

ہنگامہ فرمایانِ کار کے لئے اب پھر سال بھر تک میدانِ مشق و طیاری باز ہے۔

میاں غالب و واعظ نزاع شد ساقی
بیا بہ لابد کہ ہیجانِ قوتِ غضبی ست

اس فقیر کا ارادہ امسال آگرہ جانے کا نہ تھا، بعض مصالح و ضروریات کی بنا پر انڈین نیشنل کانگریس کراچی کی شرکت کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور ۲۰ تک پہنچ جانے کی نسبت تار بھی دے دیا تھا۔ ؎

اللہ رے گمرہی رہِ بت خانہ چھوڑ کر مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

لیکن روانگی سے چند دن پہلے یکایک اشاعتِ اسلام کے مسئلہ کا خیال ہوا، اور سوچا کہ اس اجتماع سے اگر اس تحریک کی تجدید و اشاعت کا کام نکل آئے تو بسا غنیمت ہے۔ نیز بہت سے خطوط بھی پہنچے۔ کہ اب کے لیگ میں آخری میدانِ رزم گرم ہونے والا ہے۔ وہ حریفانِ قدیم جو لومشقانِ کار کی شورش طلبیوں سے گھبرا کر عزلت گزیں سے ہو گئے تھے اب باہر نکلیں گے اور اپنی قوتِ بازو کے کرشمے دکھلائیں گے!

بہانہ بجو و آغاز کردہ در جنگ ست

خیال ہوا۔ کہ جن لوگوں کی شکستِ ضعف کے نظارے سے ہمیشہ عبرت حاصل کی ہے، اب چلیں اور اُن کے اعلانِ فتح کے نتائج کا بھی تماشا دیکھ لیں۔ اگر یہ تمام شور و ہنگامہ صرف اسی لئے ہے کہ لیگ پر قبضہ کیا جائے، تو جنگ کی ضرورت کیا ہے، کم از کم میں تو بغیر جنگ کے بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ فکر و دماغ کو چھوڑ دیں!—

بملک ہستی مارو نہادہ سلطانے
کہ ما بہ صلح دہیم او بہ جنگ می طلبدا

بہرحال لیگ کے جلسے منعقد ہوئے، اور بغیر کسی کرسی کے ٹوٹنے اور بغیر کسی شانے کے زخمی ہوئے اس طرح ختم بھی ہو گئے۔ کہ واپسی کے وقت ہر شخص اسی طرح صحیح و سالم نظر آتا تھا، جیسا کہ شرکت سے پہلے تھا۔ نہ تو رائٹ آنریبل سید امیر علی کا قصہ چھیڑا جا سکا، نہ لندن مسلم لیگ کے حقوق کی بحث نکلی، نہ سیلف گورنمنٹ "کے نصب العین پر معرکہ آرائی ہو سکی۔ اگر ارادے تھے تو ناکام رہے اگر امیدیں تھیں۔ تو نامراد ہوئیں، اگر طیاریاں تھیں۔ تو بے سود نکلیں وہ تعزرات

جن کی بنا حق اور سچائی پر ہوتی ہے بغیر مقابلے کے جس طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ ضرور ہے۔ کہ سعی و مقابلے کے بعد بھی کامیاب ہوں۔ اب اس کا کون فیصلہ کرے۔ کہ فتح کیسے ہوئی اور شکست کسے؟ اور جنگ کی طیاریاں کس نے کی تھیں اور صلح کا آرزو مند کون تھا؟ نحن نحکم بالظواھر۔ بہر حال اس سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ کہ عاقبت کار حق کے لئے ہے۔ اور فتح یابی سعی باطل کو کبھی نہیں مل سکتی وان اللہ لایفلح الظالمونْ پس اگر کسی گروہ کا مقصد باطل سے جنگ آرائی کا ارادہ تھا۔ تو یقیناً اسے شکست ملنی تھی اور ملی' اور اگر کسی کے ساتھ حق و صداقت تھی۔ تو اس کے لئے فتحیابی تھی۔ اور فتحیابی ہی ہوئی۔

فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون؛

وانہ لحسرۃ علی الکافرین وانہ لحق الیقین فسبح باسم ربک العظیم،

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جو کچھ کہ ہوا، اس میں اُن کا فروں کیلئے حسرت ہے (جو ہماری ذلت و رسوائی کے دیکھنے کے منتظر تھے) اور اس میں بھی کچھ شک نہیں۔ کہ یہ ایک لقینی صداقت کا ظہور ہے۔ پس اپنے پروردگار کی حمد کرو۔ جس نے معاندین و مفسدین کو ناکام رکھا!"

کچھ عرصے سے جو تغیرات قوم کے سیاسی معتقدات میں ہوئے ہیں۔ ایک گروہ ہے۔ جو ہمیشہ انہیں جھٹلاتا ہے۔ اور محض ایک فوری ہیجان، چند اشخاص کی وقتی کامیابی اور بغیر کسی محکم اور واقعی عقیدے کے ایک شورش ناجائز ولاحاصل سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی اس طرح وہ چاہتا ہے۔ کہ حکومت مستبدہ کسی سچی ملکی تحریک کی پامالی کے لئے جو کچھ کیا کرتی ہے، قبل اس کے کہ وہ کرے، خود ہی اس خدمت کو اس کی جانب سے باحسن وجوہ انجام دیدے۔

واتخذوا من دون اللہ آلھۃ لیکونوا لھم عزا اور اس لئے وہ ہر موقع پہ

سعی کرتا ہے۔ کہ اس تغیر کی قوت کو اپنے افساد سیاسی سے شکست دے۔ کئی تجربے ہو چکے ہیں۔ اور یہ گویا آخری تجربہ تھا۔ جیسل سابق کے اس تجربے نے بھی ثابت کر دیا۔ کہ یہ تغیرات محض سطح کی لہریں نہیں ہیں۔ جنہیں ہوا کی جنبش نے پیدا کر دیا ہو، بلکہ تہ سے اٹھنے والا طوفان ہے۔ اور گو اس کے استعمال اور کام لینے میں بہت سے ارباب غرض و نمائش (جو پچھلے گروہ سے صورت میں تو مختلف، مگر معناً انہیں کی طرح اغراض شخصیہ کے پرستار ہیں) غلط کاریاں کر رہے ہوں، تاہم چونکہ اصولاً یہ تغیر حق اور وقت کی قوت پر مبنی ہے۔ اس لئے اس سے سر ٹکرانا لاحاصل ہے۔ یہ صرف حق ہی کا معجزہ ہے۔ کہ اس سے جو شئے ٹکراتی ہے خود چور چور ہو جاتی ہے۔ پر اس کی پیشانی کو زخمی نہیں کر سکتی۔ طعن و تشنیع لاحاصل کی جگہ بہتر ہوگا۔ کہ اب ہم دعا مانگیں کہ خدا تعالیٰ اس تجربہ آخری کو لوگوں کے لئے موجب تنبہ و عبرت بنائے، اور وہ سمجھ جائیں۔ کہ دریا کے بہاؤ کے خلاف کشتی لے جانے کا تجربہ ہمیشہ ناکام رہا ہے۔ اور ناکام رہے گا:۔ او لا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون

اس بارے میں بعض حضرات کی حالت عجیب و غریب ہے۔ وہ ہر موقع پر پہلے خود ہی رازدارانہ انتظامات میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور مخفی مشوروں سے شروع ہو جاتے ہیں۔ انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا ولیس بضارھم شیئاً الا باذن اللہ لیکن جب موقعہ آتا ہے۔ اور جماعت و اکثریت کی علانیہ اور غیر مشتبہ قوت کے آگے ان کے تمام انتظامات مخفیہ ناکام ثابت ہوتے ہیں، تو پھر بجائے اس کے کہ اپنی سعی باطل سے تائب و شرمسار ہوں، بلا تامل کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ کہ ہماری مخالف جماعت نے بڑی بڑی سازشیں اور طیاریاں کی تھیں۔ پر الحمد للہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مستفیدین میں سے بدامنی و اختلاف سے عموماً احتراز کیا۔ اور صلح و امن کی خواہش متصل ظاہر کی۔ اگر یہ اپنے ضعف کے علم کا نتیجہ تھا۔ تو دلوں کے رازوں کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ اور اگر یہ واقعی حسن نیت و صداقت فکر کا نتیجہ ہے۔ تو اس پر جس قدر خوشی کی جائے کم ہے۔ شکایت کے ساتھ شکر بھی کرنا چاہئے۔ اور ملامت کے ساتھ تحسین کی آمیزش عقلمندی کی علامت ہے۔ خدا ہماری نیتوں کو پاک کرے۔ اور ارادوں میں صداقت دے۔ ملک و ملت کی خدمت کو اپنے اغراض کا آلہ نہ بنائیں۔ اور عزت کے دنیوی کے خواہشمند ہوں۔ پر دین پر دنیا کو ترجیح نہ دیں۔ نیز شکوک کا خاتمہ اور رنجشوں کا انسداد ہو۔ والعاقبۃ للمتقین۔

لطیف فاروقی مالک مکتبہ شعر و ادب لاہور نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور میں پنڈت دھرم چند بھارگو بی۔ ایس سی کے اہتمام سے چھپوا کر شائع کیا